مجلس ادارت

معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ اسی روپیے فی شمارہ سات روپیے

پاکستان میں سالانہ دو سو روپیے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک بیس پونڈ یا بتیس ڈالر

بحری ڈاک سات پونڈ یا گیارہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ : حافظ محمد یحیےٰ ، شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس . ایم . کالج . اسٹریچن روڈ . کراچی

- سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں . بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں ؛

DARUI MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
AZAMGARH

- رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ / تاریخ کو شائع ہوتا ہے . اگر کسی مہینے کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا .
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافہ کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں .
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی .
کمیشن ۲۵٪ ہوگا . رقم پیشگی آنی چاہیے

فہرست

مضمون نگاران معارف

۱۶۲ ویں جلد

ماہ جولائی ۱۹۹۸ء تا ماہ دسمبر ۱۹۹۸ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

فہرست

مضامین معارف

۱۶۲ ویں جلد

ماہ جولائی ۱۹۹۸ء تا ماہ دسمبر ۱۹۹۸ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۱۶۲ ماہ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۹۸ء عدد ۱

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

مرکزی حکومت کو فخر ہے کہ اسکے سو دن پورے ہوگئے اور اس نے موانع و ناساعد حالات کے باوجود کئی اہم کام انجام دیے۔ جس کا پروپگنڈا اخباروں میں ہورہا ہے گو یہ مدت کسی حکومت کی کارگزاری کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے کافی نہیں تاہم اگر تنکے سے ہوا کے رُخ کا پتہ چل جاتا ہے تو حکومت کے قائم ہوتے ہی بلکہ بی۔ جے۔ پی کے پچھلے ریکارڈ اور سرگرمیوں اور اسکے تصورات و نظریات ہی سے حکومت کے رُخ کا اندازہ ہوگیا تھا، رہے موانع و ناساعد حالات تو یہ خود اسی کے پیدا کردہ ہیں جن کو حکمرانی کا شوق پورا کرنے کے لیے اس نے گوارا کرلیا تھا، وہ اس پر ضرور فخر کرسکتی ہے کہ اس کا جوڑ توڑ اور مختلف الخیال جماعتوں سے اشتراک کامیاب رہا اور جیسے تیسے سو دن تک اس کی حکومت باقی رہی لیکن اس سے اسکی موقع پرستی اور بے اصولی پوری طرح سامنے آگئی اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ وہ مختلف سمتوں میں جانے والی دو کشتیوں پر سوار ہے حکومت کے سربراہ قومی ایجنڈے اور اپنے مخصوص تصورات و نظریات کو تہہ کر رکھ دینے کی بات کرتے ہیں اور پارٹی کے ذمہ دار اصل اور خفیہ ایجنڈے پر زور دیتے اور اپنے مخصوص خیالات کا راگ الاپتے ہیں۔ قول و فعل اور فکر و عمل کے اس صریح تضاد کے باوجود بی۔ جے۔ پی اپنے کو اصول پسند اور صاحب کردار جماعت کہتی ہے۔

بی۔ جے۔ پی نے اس دعویٰ کے ساتھ حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی کہ صاف ستھری حکومت قائم ہوگی، ملک جن مسائل سے دوچار ہے انہیں حل کرنے کے لیے ضروری موثر اقدام کرے گی، وبا کی طرح پھیلی ہوئی بدعنوانیوں کا خاتمہ کرے گی لیکن یہ سارے دعوے کھوکھلے اور انتخابی وعدے ثابت ہوئے اور مرض میں کمی تو درکنار اضافہ ہی ہوتا رہا، ظاہر ہے سو دن میں کوئی بڑا انقلاب نہیں آسکتا تھا لیکن یہاں تو معاملہ سرے سے الٹا رہا، ابھی تک حکومت کا رُخ ہی ملک کے استحکام اور قوم کے مفاد کی جانب نہیں ہوسکا ہے، اسے اپنے اندرونی جھگڑوں اور حلیف جماعتوں کے پیدا کردہ مسائل نے اس کا موقع نہیں دیا کہ وہ ملک و قوم کی تعمیر و ترقی کا کوئی منصوبہ اور لائحہ عمل بناتی۔ بالآخر انہی جھگڑوں اور بکھیڑوں سے تنگ آکر وہ

دوسروں کو اعتماد میں لیے بغیر اچانک نیوکلیر دھماکے کر بیٹھی تاکہ قوم کی توجہ دوسری جانب مبذول ہوجائے، حلیف پارٹیاں حکومت کی قوت و طاقت کا لوہا مان لیں اور سو دن کی اس کی ناکامیوں پر پردہ پڑجائے، مگر یہ تدبیر بھی الٹی ہوگئی۔

حکومت جس نیوکلیائی دھماکے کو اپنا شاندار کارنامہ باور کرانا چاہتی ہے اسکے بارے میں اب عیاں ہوگیا ہے کہ یہ بے وقت اور بلاضرورت کیا گیا جس سے ملک بڑی مصیبت میں مبتلا ہوگیا اور اسے ناقابل تلافی نقصان پہنچا، ملک کے باہر اسکی عزت خاک میں مل گئی، وہ دنیا بھر سے کٹ گیا، پچھلی حکومت کے تدبر سے چین اور پاکستان سے تعلقات کسی حد تک بہتر ہوئے تھے جو ناعاقبت اندیشی سے نہایت کشیدہ کردیئے گئے ہیں خود حکومت کا بھی اس سے کچھ بھلا نہ ہوا، حلیف پارٹیاں اسکے لیے اب بھی دردِ سر بنی ہوئی ہیں، ملک کی معیشت بد سے بدتر ہورہی ہے، ترقی یافتہ ملکوں نے اقتصادی پابندی لگانے کا اعلان کیا ہے جس سے ملک میں سرمایہ کاری کے عمل کو شدید نقصان پہنچا ہے اور ترقیاتی منصوبے اور کاروباری سرگرمیاں موقوف ہوگئی ہیں، حکومت کو قیمتوں پر کنٹرول کا مطلق خیال نہیں۔ ابھی سے جب مہنگائی اور گرانی کا یہ حال ہے تو آیندہ کیا ہوگا۔ روپے کی قیمت گرتی جارہی ہے، بے خوف و خطر اور بدعنوانیوں سے پاک سماج خواب و خیال بن گیا ہے، اجودھیا کا معاملہ قومی ایجنڈہ سے خارج تھا، اس وقت پھر فضا گرم ہورہی ہے اور اس کی وجہ سے کشیدگی بڑھتی جارہی ہے، وشوہندو پریشد کو مذہبی جنون اور فرقہ وارانہ جذبات بھڑکانے کی چھوٹ ملی ہوئی ہے، اس کے اور دوسری ہندو تنظیموں کے اشخاص اجودھیا میں دندناتے پھر رہے ہیں لیکن مسلم لیڈروں کو وہاں جانے پر راستے ہی میں گرفتار کرلیا جاتا ہے، یہی دوہرا معیار بی۔ جے۔ پی اور غیر بی۔ جے۔ پی کی ریاستی حکومتوں کے بارے میں برتا جارہا ہے۔

ملک کے یہ حالات ہر دردمند محب وطن کے لیے سوہانِ روح بنے ہوئے ہیں اور وہ ملک کے انجام کے بارے میں تشویش و اضطراب میں مبتلا ہوگیا ہے، سابق وزیر اعظم مسٹر چندر شیکھر نے بڑی

صفائی سے کہا ہے، واجپئی حکومت ہر محاذ پر ناکام ہو چکی ہے، اس نے محض اقتدار کی خاطر ہر محاذ پر سمجھوتا کیا، اقتدار ہی کے لیے اس نے نیوکلیائی دھماکے کرکے ہندوستان کو ساری دنیا کا دشمن بنالیا اور اقتصادی پابندیوں کو دعوت دی، اگر یہ کچھ اور دنوں برقرار رہی تو ملک زبردست بحران اور خلفشار سے دوچار ہو جائے گا۔ ہر جمہوریت اور سیکولرازم پسند کے دل کی یہی آواز ہے، ملائم سنگھ اور لالو پرشاد شروع ہی سے ادھیڑ بن میں لگے ہوئے ہیں، اب انہوں نے اپنے اختلافات دور کرکے اسی مقصد سے نیا جمہوری محاذ تشکیل دیا ہے جس کا خیر مقدم کانگریس اور بائیں بازو کی جماعتوں نے بھی کیا ہے لیکن یہ مہم اسی وقت کامیاب ہوگی جب سیکولر پارٹیوں میں اتحاد ہو اور وہ قومی مفاد کے لیے ذاتی مفاد کی پروا نہ کریں، تال میل نہ ہونے ہی کی وجہ سے بی۔ جے۔ پی برسر اقتدار آئی۔ ملائم سنگھ اور کانشی رام کی ان بن سے مرکز ہی نہیں اتر پردیش میں بی۔ جے۔ پی حکومت بنی ہے اور جنتا دل لالو یادو کو نیچا دکھانے کے لیے بہار کو بی۔ جے۔ پی کے حوالہ کرنا چاہتا ہے، ۷۷ء کے بعد سے اب تک کتنی حکومتیں اسی کشمکش کی وجہ سے گر چکی ہیں، وی۔ پی سنگھ کی حکومت گرانے والے تو چندر شیکھر جی ہی تھے۔ اگر واقعی ملک کو بچانا اور موجودہ بحران سے نکالنا ہے تو سیکولر لیڈروں کو متحد ہونے کے علاوہ بہت کچھ قربانی دینی اور معمولی و حقیر مفادات کو نظر انداز کرنا ہوگا۔

۱۳، ۱۴ جون کو انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ عرب اسٹڈیز نئی دہلی کے زیر اہتمام فلسطین پر ایک بین الاقوامی سمینار ہوا، جس کا افتتاح اقلیتی کمیشن کے چیرمین پروفیسر طاہر محمود نے کیا، ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے دانشور اور فلسطینی نمائندے شریک ہوئے، شروع سے ہندوستان مظلوم فلسطینیوں کا ہمدرد رہا ہے، ایک اجلاس اس کے لیے خاص تھا، پچاس سال سے فلسطین پر اسرائیل کا غاصبانہ قبضہ ہے، اس کے پروپگنڈے کے جواب اور مسئلہ سے واقف کرانے کے لیے ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں نے سمینار کرکے ایک مبارک کام کا آغاز کیا ہے، یہ سلسلہ اور فلسطین کی مکمل آزادی کے لیے جدوجہد برابر جاری رہنی چاہیے۔

مقالات

عالم ربوبیت میں توحید شہودی کے جلوے

اور

اہل اسلام کی ذمہ داریاں

از مولانا محمد شہاب الدین ندوی۔ بنگلور

اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی منصوبے کے مطابق انسان کی رہنمائی کے لیے اس عالم آب و گل میں دو قسم کے علوم جاری کیے ہیں: ایک علم تشریع اور دوسرا علم تکوین، یعنی علم شریعت اور علم فطرت۔ علم اول اصلاً مطلوب ہے، جب کہ علم ثانی تائید و تصدیق کے لیے ہے۔ علم اول انبیائے کرام کے توسط سے عطا کیا جاتا ہے جبکہ علم ثانی مظاہر کائنات کے مطالعہ سے انسان حاصل کرتا ہے اور یہ دونوں علوم ایک دوسرے سے متصادم نہیں بلکہ ایک دوسرے کے مصدق ہیں۔ ظاہر ہے کہ علم شریعت جو خدائے علیم و خبیر کے علم ازلی پر مبنی ہے اس بنا پر اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح علم فطرت یا علم نیچر اگرچہ بظاہر "انسانی علم" معلوم ہوتا ہے مگر وہ در حقیقت خدائی اعمال و افعال یا اس کی صفات کا علم ہے اور صفات الٰہی کی دو قسمیں ہیں: صفات ذاتی اور صفات فعلی اور مظاہر فطرت کے مطالعہ اور ان کی چھان بین سے ان دونوں قسم کی صفات کا اثبات ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں فطرت اور شریعت دونوں ایک دوسرے کی تائید کرتے نظر آتے ہیں۔

صفات ذاتی اور صفات فعلی | اس موقع پر صفات الٰہی کی تھوڑی سی تفصیل ضروری معلوم

ہوتی ہے۔ علمائے عقائد (ماتریدیہ) نے ان کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ صفات ذاتی سے مراد وہ صفات ہیں جو ازلی ہیں اور وہ آٹھ ہیں: حیات، قدرت، علم، کلام، ایجاد و تکوین، سمع، بصر اور ارادہ اور یہ وہ صفات ہیں جو ذات باری تعالیٰ سے کبھی جدا نہیں ہوسکتیں۔ اس کے برعکس صفات فعلی وہ ہیں جو حدوث عالم سے تعلق رکھتی ہیں، جیسے: تخلیق، مخلوق پروری، انشاء، ابداع، صنعت گری، جلانا، مارنا، نمو بخشنا اور اشیاء کی صورت گری کرنا وغیرہ اور یہ تمام فعلی صفات اس کی صفت "تکوین" میں داخل ہیں[1] اور تکوین کے معنی خلق و ایجاد کے ہیں۔

اس اعتبار سے یہ پوری کائنات صفات الٰہی کی پرتو اور ان کی جلوہ آرائیوں کا مظہر ہے اور مظاہر کائنات اور ان کے نظاموں میں جو بھی کرشمے نظر آرہے ہیں وہ سب کے سب خدائی صفات و افعال کی نقاب کشائی کرنے والے ہیں۔ چنانچہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اس کائنات میں اللہ اور اس کے افعال کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے اور اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ اس کا "فعل" ہے۔

بل لیس فی الوجود الا اللہ و افعالہ وکل ماسواہ فعلہ[2]

نیز امام صاحب کی نظر میں سب سے اعلیٰ و ارفع علم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے افعال کا علم ہے جسے وہ "سرخ یاقوت" سے موسوم کرتے ہیں۔

معرفۃ ذات اللہ تبارک و تعالیٰ، و معارفۃ الصفات و معرفۃ الافعال۔ وھذہ الثلاثۃ ھی الیاقوت الاحمر[3]

[1] خلاصہ از شرح فقہ اکبر، ملا علی قاری، ص ۲۵-۳۵، بیروت، ۱۹۸۴ء [2] جواہر القرآن، از ابوحامد غزالی، ص ۲۶، مطبوعہ بیروت، ۱۹۸۵ء [3] ایضاً ص ۲۵۔

اس سلسلے میں امام صاحب نے مزید تصریح کی ہے کہ افعال الٰہی کا علم ایک ایسا وسیع سمندر ہے جس کے کناروں کا پتہ لگانا مشکل ہے لیکن قرآن ان افعال کے چند ہی جلی مظاہر پر مشتمل ہے، جو عالم شہادت سے متعلق ہیں، جیسے آسمان، ستارے، زمین، پہاڑ، پیڑ پودے، حیوانات، سمندر، میٹھے پانی کا نزول اور دیگر اسباب حیات و نباتات کا تذکرہ جو محسوسات کے ذریعہ ظاہر ہوتے ہیں[1]۔

افضل ترین علم ذات باری کی معرفت

غرض مظاہر کائنات کا جس قدر گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اسی قدر خدائی صفات و افعال کا حال واضح ہوتا ہے اور ربوبیت (خدا کی کارسازی و مخلوق پروری) کی نیرنگیاں اور اس کے عجائب سامنے آتے ہیں جو انسان کی عبرت و بصیرت کے لیے حد درجہ موثر ہوتے ہیں اور شرعی نقطۂ نظر سے افعال الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات فعلی کے مطالعہ و مشاہدہ سے اس کی صفات ذاتی تک رسائی ہوتی ہے اور صفات ذاتی کے ملاحظہ سے ذات باری تعالیٰ تک رسائی ہوتی ہے جو اصل مقصود ہے اور اس اعتبار سے انسان کے سامنے موجود تمام مخلوقات و موجودات ذات و صفات کے مطالعہ کی راہ میں ایک کھلی کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان مخلوقات و موجودات کو خلاق فطرت نے اپنی پہچان اور اپنے تعارف کی غرض سے پیدا کیا ہے اور اس لحاظ سے یہ علم اپنی قدر و منزلت میں سب سے اعلیٰ ہے۔

چنانچہ امام غزالی تحریر کرتے ہیں کہ سب سے اعلیٰ و اشرف علم اللہ تعالیٰ کی معرفت کا علم ہے کیونکہ دیگر تمام علوم اسی کے لیے مقصود ہیں اور وہ کسی دوسرے کے لیے مقصود نہیں ہے اور اس باب میں درجہ بدرجہ ترقی ہوتی ہے۔ چنانچہ افعال سے صفات کی طرف

[1] جواہر القرآن، از امام ابوحامد غزالی ص ۲۶، مطبوعہ بیروت ۱۹۸۵ء۔

اور صفات سے ذات کی طرف ترقی ہوتی ہے۔ اس طرح یہ تین طبقات ہیں جن میں سب سے اعلیٰ ذات باری تعالیٰ کا علم ہے، چونکہ اکثر لوگ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لیے ایسے لوگوں کے لیے (حدیث میں) فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں غور کریں مگر اسکی ذات میں غور نہ کریں[1]

تفکروا فی خلق اللہ، ولا تفکروا فی ذات اللہ[2]

ربوبیت کی ہمہ گیری اور قرآن کا اعجاز غرض عالم مظاہر کے مطالعہ و مشاہدہ سے خلاقِ عالم کی عجیب و غریب صنعت اور اس کے تخلیقی عجائب کا نظارہ ہوتا ہے اور ربوبیت کی جمال آرائیوں اور جلال افروزیوں کے جلوے سامنے آتے ہیں اور یہ ایک وسیع ترین علم ہے جس طرح قرآن حکیم علم الٰہی کا مظہر اور اسرار ربانی کا ایک اتاہ سمندر ہے جس کے کناروں کا پتہ ہی نہیں چلتا، اسی طرح یہ کائنات خدائے عظیم کی قدرت و ربوبیت کا بحرِ زخار ہے جو عجوبوں سے بھری ہوئی ہے۔ اول سے علم الٰہی کی ازلیت جھلکتی ہے تو دوم سے قدرتِ خدائی کا نظارہ ہوتا ہے اور ان دونوں کے تقابل سے ذات و صفات کی حقیقت پوری طرح سامنے آجاتی ہے اور اس اعتبار سے یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے آئینہ کی طرح ہیں۔ کتاب الٰہی میں ربوبیت کے اصول درج ہیں اور کتاب فطرت میں ربوبیت کا تفصیلی ثبوت و شہادت موجود ہے اور ان دونوں کے ملاحظہ سے اس سلسلے کے تمام غلط اور بے بنیاد فلسفیانہ افکار و نظریات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

---

[1] حوالۂ سابق، ص ۴۲ [2] اس حدیث کی روایت ابونعیم، ابن ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی وغیرہ نے کی ہے اور یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف لیکن مجموعی اعتبار سے قوی اور معنی کے اعتبار سے صحیح ہے (ملاحظہ ہو کشف الخفاء عجلونی ۱/۳۱۱)

اسی وجہ سے قرآنِ عظیم کے ذریعہ مطالعۂ فطرت کی پُر زور انداز میں دعوت دی گئی ہے اور یہ مطالعۂ فطرت دراصل "مطالعۂ ربوبیت" کا نام ہے۔ اسی وجہ سے قرآن عظیم کی سب سے پہلی سورت کی پہلی ہی آیت میں ربوبیت کا اثبات کرتے ہوئے اللہ کا تعارف نوعِ انسانی سے "رب العالمین" کی حیثیت سے کرایا گیا ہے اور العالمین سے مراد مختلف عالموں پر مشتمل پوری کائنات ہے، جو کل "افعال الٰہی" کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور یہ کائنات جمادات، نباتات، حیوانات اور سماوات سب کی جامع ہے کیونکہ باری تعالیٰ سارے جہاں کا خالق اور رب ہے اور اس کی ربوبیت سے اس عالم کون و مکان کا ایک ذرہ یا ایک جوہر (ایٹم) تک باہر نہیں ہے اور اس اعتبار سے ربوبیت کی تفصیل کے لیے دفتروں کے دفتر درکار ہیں، مگر پھر بھی موجودات عالم کی تشریح و تفسیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تمام انسان مل کر بھی افعالِ الٰہی کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

قُلْ لَّوْكَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا
لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ
قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ
وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔
(کہف: ۱۰۹)

کہہ دو کہ میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے اگر سمندر بھی سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے ہی سمندر ختم ہو جائے، اگرچہ اس کی مدد کے لیے ہم اس جیسا ایک اور سمندر لے آئیں۔

قرآن کا نیا معجزہ اس اعتبار سے دنیا کے تمام انسان مل کر قرآنِ عظیم کی صرف ایک آیت "الحمد للہ رب العالمین" کی مکمل تشریح و تفسیر قیامت تک نہیں کر سکتے کیونکہ وہ افعالِ الٰہی کے مکمل احاطہ سے ہمیشہ عاجز رہیں گے۔ یہ ہے قرآن حکیم کی بلاغت اور اس کے

اصلی اعجاز کا ایک نیا نمونہ جو عصر جدید میں نوع انسانی کو متحیر اور ششدر کرنے کے لیے کافی ہے اور اس قسم کی معجز نمائیوں سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے اور آج قرآن عظیم کی اس علمی بلاغت اور اس کے اسرار و حقایق کا ہر عجمی و عربی شخص اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکتا ہے۔ جبکہ اس کی ادبی فصاحت و بلاغت صرف اہل عرب ہی سمجھ سکتے تھے اور وہ بھی محض ذوقی طور پر۔ چنانچہ اس سلسلے میں علامہ جلال الدین سیوطی نے سکاکی کا قول نقل کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ قرآن کے اعجاز کا ادراک تو کیا جا سکتا ہے مگر اس کا وصف بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

وقال السکاکی فی المفتاح: اعلم ان اعجاز القرآن یدرک ولا یمکن وصفہ[1]۔

اسی طرح موصوف نے خطابی کا قول بھی نقل کیا ہے کہ اکثر اہل نظر علماء کی رائے یہ ہے کہ قرآن کا اعجاز بلاغت کے اعتبار سے ہے جس کی تفصیل بیان کرنا ان کے نزدیک مشکل ہے، اسی وجہ سے انہوں نے اسے ایک ذوقی چیز قرار دیا ہے[2]۔

اور علامہ باقلانی نے تو صاف لکھ دیا ہے کہ ایک عجمی شخص قرآن کا اعجاز صرف استدلالی طور پر ہی معلوم کر سکتا ہے۔ اسی طرح جو شخص علم بلاغت (عربی زبان کے اسالیب کلام اور اس کی صنعت کے غرائب) سے واقف نہ ہو اس کے لیے بھی قرآن کی بلاغت سمجھنا ممکن نہیں ہے[3]۔

اس اعتبار سے یہ بھی قرآن کا ایک معجزہ ہے کہ جب کسی دور میں لوگ اس کے کسی ایک رُخ کو دیکھنے سے عاجز رہ جاتے ہیں تو اس کے سامنے اس کلام حکمت کا ایک دوسرا رخ آجاتا ہے جو انہیں حیران کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس طرح قرآنی اسرار و عجائب کی انتہا

[1] الاتقان فی علوم القرآن، از سیوطی، ۲/۱۵۳، مطبوعہ مصر ۱۹۷۸ء [2] ایضاً ۲/۱۵۴ [3] اعجاز القرآن، باقلانی، تحقیق سید احمد صقر، ص ۲۹۵، دار المعارف مصر۔

نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے: "ولا تنقضی عجائبہ"[1]

بہر حال موجودہ دور علوم و فنون کا دور ہے اور اس نئے دور میں قرآن عظیم اپنی نئی تجلیوں کے ساتھ جلوہ افروز نظر آرہا ہے تاکہ وہ نوع انسانی کو نئے انداز میں دعوت فکر دے سکے اور وہ اس کی انوکھی اداؤں کے باعث اس کی رہنمائی کی طرف متوجہ ہو سکے۔ قرآنی اعجاز کے اگرچہ اور بھی کئی پہلو ہیں مگر ان سب پر تفصیلی بحث کا یہ موقع نہیں ہے۔

ربوبیت اور الوہیت

حاصل یہ کہ قرآن حکیم متعدد حیثیتوں سے معجزہ ہے مگر عصر جدید میں اس کا علمی اعجاز پوری طرح کھل کر سامنے آگیا ہے۔ چنانچہ وہ جس طرح "احاطۂ معلومات" کے اعتبار سے ایک معجزہ ہے اسی طرح دلیل و استدلال کے لحاظ سے بھی ایک معجزہ ہے، یعنی اشیائے عالم یا "افعال الٰہی" سے جو "مفرد معلومات" حاصل ہوتی ہیں وہ ربوبیت (خدائی کارسازیوں) کی تفصیل ہوتی ہیں اور ان مفرد معلومات سے "یک پنتھ دو کاج" کے مطابق جہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر روشنی پڑتی ہے تو دوسری طرف ان مفرد معلومات سے منطقی مقدمات مرتب کر کے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر استدلال کیا جا سکتا ہے جس سے مادی فلسفوں اور مادی افکار و نظریات کا رد و ابطال ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن عظیم نے نظام کائنات سے استدلال کرتے ہوئے نوع انسانی کو مظاہر کائنات میں غور و فکر اور تحقیق و جستجو کی دعوت دی ہے تاکہ خدائے تعالیٰ کی صفات ذاتی کا علمی و تحقیقی طور پر اثبات ہو سکے اور انسان باری تعالیٰ کی ربوبیت کا انکار نہ کر سکے۔ جب اس کی ربوبیت پوری طرح ثابت ہو جائے گی تو اس کے نتیجے میں اس کی ربوبیت (معبودیت) بھی آپ سے آپ ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ اثبات ربوبیت اثبات الوہیت کا لازمہ ہے۔ ظاہر ہے کہ

[1] ترمذی، دارمی، بیہقی، طبرانی اور کنز العمال: ۱/۱۹۷، مطبوعہ بیروت۔

جو اس کائنات کا رب ہوگا وہی اس کا الٰہ اور معبود و مسجود بھی ہوگا۔ چنانچہ قرآن عظیم میں متعدد مقامات پر مختلف مظاہر ربوبیت کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۔ (انعام: ۱۰۲)	یہی ہے اللہ تمہارا رب، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگراں و کارساز ہے۔
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ۔ (مومن: ۶۲)	یہی ہے تمہارا رب ہر چیز کا پیدا کرنے والا اس کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں ہے، تو تم کدھر بہکے جا رہے ہو۔
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ۔ (زمر: ۶)	یہی ہے اللہ تمہارا رب (اس کائنات کی) بادشاہت اسی کے لیے ہے، اس کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں ہے، تو تم کدھر بہکے جا رہے ہو؟
قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ۔ (رعد: ۳۰)	کہدو کہ وہی میرا رب ہے جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

اس طرح قرآن کے یہ تمام بیانات حد درجہ فطری، معقول، حقیقت پسندانہ اور انسانی نفسیات کے عین مطابق ہیں جن میں منطقی ترتیب بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ یہ تمام آیتیں ایک حکیمانہ انداز میں مذکور ہیں جن میں عقل و حکمت کا مظاہرہ دکھائی دیتا ہے اور قرآن کے

دیگر تمام بیانات کا بھی یہی حال ہے جو حکمت و دانش اور حقیقت پسندی سے پُر ہیں۔

غرض قرآن کی پوری تعلیمات ربوبیت و الوہیت کے انہی دو نکتوں کے گرد گھومتی نظر آتی ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں قرآن کا استدلال یہ ہے کہ جو اس کائنات کا رب ہے وہی اس کا الٰہ (معبود) ہو سکتا ہے اور اسی حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے ہر قسم کے عقلی و علمی (سائنٹفک) دلائل سے کام لیا گیا ہے تاکہ گمراہ انسان راہِ راست پر آجائے اور ضد و عناد کا راستہ ترک کرکے سرچشمۂ ہدایت کی طرف متوجہ ہو جائے۔ یہ پورے قرآن کا خلاصہ اور اس کا مرکزی فکر اور مرکزی نکتہ ہے اور تمام انبیائے کرام کی دعوت کا خلاصہ بھی۔

چنانچہ اس سلسلے میں ملا علی قاری تحریر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی ابتدا "الحمد للہ رب العٰلمین" سے کی اور اس میں اشارہ ہے اس بات کا کہ توحید الوہیت کی بنا توحید ربوبیت پر ہے جو بندوں سے اثبات بندگی کی طالب ہے اور یہ بات بندے پر اولاً واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے۔

فابتداء كلامه سبحانه وتعالىٰ فى الفاتحة بالحمد لله رب العالمين، يُشير الى تقدير توحيد الربوبية المترتب عليه توحيد الالوهية المقتضى من الخلق تحقيق العبودية، وهو ما يجب على العبد اولاً الى معرفة الله سبحانه وتعالىٰ۔[1]

اور موصوف اس سلسلے میں مزید تحریر کرتے ہیں کہ قرآن کی سورتیں اور اس کی آیات غالب طور پر انہی دو قسم کی توحید پر مشتمل ہیں، بلکہ قرآن اول سے آخر تک انہی دو چیزوں کے بیان اور ان کی تحقیق پر مشتمل ہے۔

[1] شرح فقہ اکبر، ص ۱۵، بیروت ۱۹۸۴ء۔

بل غالب سور القرآن وآیته متضمنة لنوعی التوحید، بل القرآن من اوله الی آخره فی بیانهما وتحقیق شانهما[1]

قوانین ربوبیت اور خدائی حجت

اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت ثابت کرنے کے لیے اس کی ربوبیت کس طرح ثابت کی جائے، تو صاف ظاہر ہے کہ اس کے لیے کائنات اور اس کے نظاموں کا مطالعہ کرنا پڑے گا اور مظاہر کائنات یا اشیائے عالم کی چھان بین کرنی پڑے گی۔ ورنہ مجرد ظن وتخمین یا خیالات ومفروضات کے ذریعہ نہ تو ربوبیت کی حقیقت واضح ہوگی اور نوع انسانی پر حجت پوری ہو سکے گی۔ بالفاظ دیگر استخراجی منطق کے ذریعہ موجودہ علوم وفنون کے دور میں ہرگز کام نہیں چل سکے گا۔ کیونکہ آج کا انسان استقرائی منطق کا شیدا ہے اور موجودہ تمام سائنسی علوم استقرار (انڈکشن) ہی کی بنیاد پر کام کر رہے ہیں یعنی تجربات ومشاہدات کے ذریعہ مظاہر فطرت کا کلی اعتبار سے جائزہ لے کر قوانین قدرت کی تحقیق وتدوین کر رہے ہیں اور "قوانین قدرت" "قوانین ربوبیت" ہی کا دوسرا نام ہے اور اس اعتبار سے جدید سائنسی علوم "خدائی افعال" یا اس کے ضوابط ہی کی تحقیق وتفتیش میں لگے ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں وہ جو بھی حقائق دریافت کر رہے ہیں وہ سب ربوبیت ہی کے رموز واسرار ہیں۔

لہٰذا ان اسرار فطرت یا خدائی ضوابط کو بنیاد بنا کر حاملین قرآن ربوبیت والوہیت کے اثبات میں موثر طریقے سے استدلال کر سکتے ہیں کیونکہ یہ حقائق وضوابط آج خود مادہ پرستوں یا منکرین خدا کے ذریعہ منظر عام پر آرہے ہیں جن کا وہ انکار نہیں کر سکتے بالفاظ دیگر وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ "قوانین فطرت" صحیح نہیں ہیں یا وہ ناقابل اعتبار ہیں۔ ظاہر ہے کہ

[1] شرح فقہ اکبر، ص ۱۵، بیروت ۱۹۸۴ء۔

یہ بھی خلاق ازل کی ایک عجیب وغریب حکمت اور منصوبہ بندی ہے تاکہ منکرین حق پر اتمام حجت پوری ہو جائے اور کسی کو انکار کی مجال نہ رہے۔ گویا کہ جس کو مرنا ہو وہ دلیل دیکھ کر مرجائے اور جس کو جینا ہو وہ دلیل دیکھ کر جی سکے۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ۔ (انفال: ۴۲)

تاکہ جس کو ہلاک ہونا ہو وہ اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہو وہ اتمام حجت کے بعد زندہ رہے۔

یہ ہے وہ خدائی منطق جس کی بنا پر قرآن عظیم میں نظام کائنات سے تعرض کیا گیا ہے اور اس موضوع پر سیکڑوں آیات مختلف حیثیتوں سے مذکور ہیں، تاکہ حاملین قرآن دلیل واستدلال کے میدان میں ان سے استفادہ کرتے ہوئے خدائی منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہونچائیں۔ اس حیثیت سے بھی قرآن ایک عظیم اور بے مثال ہادی ورہنما نظر آتا ہے اور وہ دلیل وحجت کے باب میں اپنی نظیر آپ بلکہ سراپا دلیل دکھائی دیتا ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا۔ (نساء: ۱۷۴)

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک قطعی دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہارے پاس ایک واضح روشنی بھیج دی ہے۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔ (انعام: ۱۴۹)

کہدو کہ اللہ ہی کی حجت (اپنی غایت تک) پہونچنے والی ہے۔

کائنات میں صفات الٰہی کے جلوے

حاصل یہ کہ خدائی "افعال" کے مطالعہ اور ان کی چھان بین سے ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات کی حقیقت سامنے آتی ہے اور جہان ربوبیت اور

جلالِ الٰہی کا نظارہ ہوتا ہے، نتیجہ یہ کہ آپ اس کائنات میں جدھر بھی نظر ڈالیے ہر طرف آپ کو خدائی جلال و جبروت اور اس کی حیرت انگیز صنعت و کاریگری کے نمونے ملیں گے، جن میں جلال آرائیوں کے ساتھ ساتھ جمال افروزیوں کی بھی مکمل آمیزش نظر آئے گی۔ اس اعتبار سے دنیا کی ہر شے اور ہر مظہر ربوبیت خدائی جمال و جلال کا مرکب اور ایک حسین و جمیل "ماڈل" کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر چیز میں خدائی کمالات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات مذکور ہیں ان سب کا مشاہدہ اشیائے عالم (افعال الٰہی) میں بخوبی ہو سکتا ہے اور اس اعتبار سے بھی قرآن و حدیث اور مظاہر عالم ایک دوسرے کے مصدق نظر آتے ہیں جن میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔ قرآن جو کچھ کہتا ہے اس کا علمی ثبوت کائنات میں موجود ہے اور کائنات میں جو کچھ بھی ہے اس کے اصول قرآن میں مذکور ہیں۔ چنانچہ موجودات عالم متعدد حیثیتوں سے جلال و جمال کے مظہر ہیں، جن کا تذکرہ قرآن اور حدیث میں اس طرح آیا ہے:

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَهُ الْكِبْرِيَاۗءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (جاثیہ: ۳۶-۳۷)

پس ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں کا رب اور زمین کا رب (یعنی) سارے جہاں (کل کائنات) کا رب ہے اور آسمانوں اور زمین میں عظمت و بڑائی اسی کے لیے ہے اور وہی زبردست (قوت) اور حکمت والا ہے۔

یہ آیات جلال و ربوبیت کی ترجمان ہیں اور یہ سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت (الحمد للہ

رب العالمین) کی بھی شرح و تفسیر کر رہی ہیں کہ اس کائنات میں جو بھی تخلیقی کمالات نظر آ رہے ہیں ان کا سارا کریڈٹ ذات باری تعالیٰ کو پہونچتا ہے اور اب جہاں تک جمال الٰہی کا تعلق ہے تو اس حقیقت پر حسب ذیل حدیث روشنی ڈال رہی ہے۔

ان اللہ جمیل و یحب الجمال۔ اللہ جمیل ہے اور جمال پسند ہے[1]

اس اعتبار سے یہ کائنات کسی اندھی بہری قوت کا نتیجہ نہیں اور نہ وہ از خود وجود میں آگئی ہے ورنہ اس میں جمال و جلال کا امتزاج ممکن نہ ہوتا، چنانچہ اشیائے عالم میں بدصورتی اور بے ڈھنگا پن موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس ہر چیز حسین و جمیل اور رنگ برنگے گل بوٹوں سے مزین ہے اور فطرت کی یہ گل کاریاں ایک مصور فطرت کی نشاندہی کر رہی ہیں۔ ہر چیز نفاست اور حسن کاریگری کا اعلیٰ نمونہ معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ نقاش فطرت نے جو بھی چیز بنائی وہ بہترین طریقے سے بنائی ہے جس میں کسی قسم کا نقص و عیب نہیں ہے۔

اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ۔ (سجدہ: ۷) اس نے جو بھی چیز بنائی خوب بنائی۔

اور پھر ہر چیز میں نفاست اور حسن کاریگری کے ساتھ ساتھ مخلوق پروری کے جلوے بھی نظر آتے ہیں، چنانچہ دنیا کی ہر چیز دوسرے کی محتاج ہے اور ایک کی ضرورت دوسری سے پوری ہوتی ہے اور اس طرح یہ پوری کائنات ایک منظم عمل ہے جس میں کہیں بھی کوئی رخنہ یا شگاف نظر نہیں آتا۔

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ (ملک: ۳) (اس کائنات میں) نگاہ ڈال کر دیکھ، کیا تجھے (کہیں بھی) کوئی شگاف نظر آتا ہے

یہ ربوبیت کی وہ جامعیت و کاملیت اور ہمہ گیری ہے جس پر عقل انسانی حیران ہے

[1] مسلم، ترمذی، مستدرک حاکم، طبرانی، منقول از کنز العمال ۶/ ۶۳۹، بیروت۔

اور اس کی تفسیر میں دفتروں کے دفتر سیاہ کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ کوئی بھی انسائیکلوپیڈیا جو علوم وفنون کے تذکروں پر مشتمل ہوا اٹھا کر طبیعی اور حیاتیاتی علوم کا مطالعہ کیجیے تو آپ کو ربوبیت کی ہمہ گیری کا صحیح اندازہ ہوسکے گا۔ اس اعتبار سے یہ کائنات حیرت انگیز نظاموں پر مشتمل ایک منظم ومنضبط عمل ہے جس کی توجیہ کرنے سے مادہ پرست لوگ بالکل قاصر نظر آتے ہیں بلکہ گھبراتے ہوئے اس میدان میں ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔

اور پھر ان تمام صفات کے ساتھ ساتھ ذات باری تعالیٰ کی ایک اور اہم ترین صفت اس کی مخلوق پروری (ربوبیت) میں رحمانیت کا مظاہرہ بھی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی مخلوق پروری جابرانہ یا بے رحمانہ ضوابط کا مجموعہ نہیں بلکہ انتہائی مشفقانہ اور رحمدلانہ ہے۔ چنانچہ الحمد للہ رب العٰلمین کے ساتھ ساتھ الرحمٰن الرحیم کہہ کر جتلا دیا کہ اس کی ربوبیت رحمانیت (مخلوق پر شفقت و رحمدلی) کے روپ میں جلوہ گر ہے۔ لہٰذا رب العالمین کوئی ظالم وجابر اور بے رحم ہستی نہیں بلکہ وہ خدائے مہرباں ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت اس مادی کائنات کے اندر موجود وہ عادلانہ اور رحمدلانہ قوانین ہیں، جو مختلف مخلوقات کے درمیان انتہائی توازن پر مبنی ہیں اور جن سے عدل الٰہی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے حیوانات اور نباتات کے درمیان آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کا تبادلہ کس طرح ہوتا ہے اور یہ دونوں اجناس کس طرح ایک دوسرے کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ چنانچہ تمام حیوانات بشمول انسان سانس کے ذریعہ آکسیجن اپنے پھیپھڑوں کے اندر داخل کرتے ہیں اور اسے کاربن ڈائی آکسائیڈ کی شکل میں خارج کرتے ہیں۔ مگر اس کے برعکس تمام پیڑ پودے کاربن ڈائی آکسائیڈ حاصل کرکے آکسیجن خارج کرتے ہیں اور اس دوطرفہ عمل کے باعث فضا میں آکسیجن کا توازن قائم رہتا ہے

اگر نباتات آکسیجن پیدا نہ کریں تو پھر تھوڑے ہی عرصے میں فضا میں موجود آکسیجن ختم ہوجاتی اور تمام حیوانات گھٹ گھٹ کر مرجاتے۔ کیونکہ حیوانات بغیر آکسیجن کے زندہ نہیں رہ سکتے لہٰذا یہ خدائے رحمان کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ اس نے ہماری بقا کا تحفظ کرتے ہوئے نباتات کو ہماری بنیادی ضرورت پوری کرنے پر مامور کیا اور فضا میں ایک ایسا توازن قائم کردیا جو مسلسل مصروف عمل ہے۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ۔
(رحمٰن: ۷-۸)

اور اس نے آسمان کو اونچا کرکے (اس میں) میزان رکھ دی (اور تمام مظاہر فطرت کو حکم دیا کہ کوئی بھی اس میزان (یعنی طبیعی ضابطہ) سے تجاوز نہ کرے۔

اس قسم کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں مگر اس مختصر مضمون میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ یہ موضوع ایک مستقل تصنیف کا طالب ہے۔ تو کیا اس قسم کے قوانین وضوابط خدائے مہرباں کی مہربانیوں اور کرم فرمائیوں کا مظہر نہیں ہیں؛ چنانچہ ان قوانین وضوابط کے ملاحظہ سے مادیت کی چولیں ہل جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ ان نفیس اور بے داغ قوانین ربوبیت کی کوئی تشفی بخش توجیہ نہیں کرسکتی، سوائے اس بات کی رٹ لگانے کے کہ یہ سب کچھ یوں ہی ہو رہا ہے اور اس کائنات کا کوئی خالق و منتظم موجود نہیں ہے مگر ظاہر ہے کہ ایک اندھا بہرا مادہ "قوانین" وضع نہیں کرسکتا اور ایسے ضوابط نہیں بنا سکتا جس میں کبھی خلل نہ پڑ سکتا ہو۔ جو چیز آپ سے آپ رونما ہوتی ہے وہ ضوابط کی پابند نہیں ہوسکتی جس طرح کہ آوارہ لوگ اور آوارہ کتے کسی قانون اور ضابطہ کے پابند نہیں ہوتے۔

غرض آپ ایک ننھے سے ایٹم سے لے کر ایک نظام شمسی تک کسی کا بھی مطالعہ کیجیے آپ خدائی کاریگری اور اس کی نفاست دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔ چنانچہ ایک ننھے سے ایٹم میں ربوبیت کے جو کرشمے اور جلوے ظاہر ہو رہے ہیں وہ پوری دنیائے سائنس کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کیے ہوئے ہیں اور وہ ایک ننھی سی اور حقیر ترین چیز کے اسرار کا احاطہ نہیں کر پا رہی ہے۔ یہ ہے اشیائے عالم میں خدائی صنعت و کاریگری کا ایک تحیر خیز نظارہ جس کا ضابطہ حسب ذیل آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے:

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (النمل: ۸۸)	یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو استحکام دیا ہے

توحید شہودی کا نظارہ حاصل یہ کہ اس کائنات میں آپ جدھر بھی نظر ڈالیے آپ کو اللہ کی ربوبیت و رحمانیت، اس کے جلال و جمال اور اس کی صنعت و کاریگری کی نفاست و استحکام کے بے مثال نمونے دکھائی دیں گے جن کی رعنائیاں اور دلفریبیاں آپ کا دل موہ لیں گی، چنانچہ ربوبیت کے ان جلوؤں کو دیکھ کر ایک صحیح اور سچے سائنس داں کے دل میں ایمان کی چنگاریاں بھڑک سکتی ہیں اور ایک صاحب نظر مومن کے دل و دماغ پر خدائی عظمت وجلال کے نقوش مرتسم ہو سکتے ہیں، گویا کہ اس کائنات میں ہر طرف توحید شہودی کے نظارے دکھائی دے رہے ہیں جو عین الیقین اور حق الیقین کی منزل تک لے جاتے ہیں اور ان نظاروں سے ایک صاحب ایمان کی ایمانی کیفیت بڑھ جاتی ہے۔ اور جس شخص کے قلب و دماغ پر یہ کیفیت طاری ہو جائے وہ کائنات کی بھول بھلیوں میں بھٹک نہیں سکتا اور الحادی فلسفوں کی فسوں کاری اس کے پائے ثبات کو لرزا نہیں سکتی۔

غرض یہ صحیفۂ فطرت یا صحیفۂ ربوبیت کا حاصل مطالعہ ہے جو نتیجۃ النتائج کی حیثیت

رکھتا ہے۔ گویا کہ جو بھی شخص کھلے دل و دماغ کے ساتھ مظاہر فطرت کا مطالعہ کرے گا وہ عین الیقین اور حق الیقین کی اس منزل تک ضرور پہونچے گا اور اس منزل پر پہونچ جانے کے بعد اُسے خدائی ذات و صفات اور اس کے افعال کے علاوہ اور کوئی چیز دکھائی نہیں دے گی چنانچہ وہ اس مقام و مرتبہ تک پہونچ جانے کے بعد جس چیز پر بھی نظر ڈالے گا اس کی نظریں اشیاء کے ظاہری اختلاف اور ان کی تلون مزاجی کے پردوں کو توڑ کر ان کے اندر موجود ربوبیت اور اس کی وحدت پر مرکوز ہو جائیں گی۔ کیونکہ ان تمام اشیاء میں اپنے ہزاروں اختلافات رنگ و الوان کی لاتعداد بوقلمونیوں کے باوجود بعض بنیادی خصائص بھی دکھائی دیتے ہیں جو انہیں ایک حیرت انگیز "وحدت" میں پروئے ہوئے ہیں گویا کہ یہ تمام موجودات کسی ایک ہی کارخانے میں ڈھلے ہوئے ہیں اور اپنے سینوں پر ایک ہی لیبل چسپاں کیے ہوئے ہیں۔ صورت شکل اور رنگ و روپ الگ الگ ہے مگر سب کے سب نظام ربوبیت میں بندھے ہوئے ہیں۔ کیا مجال ہے کہ کوئی بھی چیز یا کوئی بھی مظہر فطرت اپنی حد اور سرحد سے باہر ہو جائے اور حدود ربوبیت کو توڑ بیٹھے! چنانچہ حسب ذیل ربانی اصولوں کا نظارہ ہمیں عالم موجودات ہی میں نظر آتا ہے:

کُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (البقرہ: ۱۱۶)	(مظاہر فطرت) تمام کے تمام اس کی بارگاہ میں جھکے ہوئے ہیں۔
اَللّٰهُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ (زمر: ۶۲)	اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور ہر چیز کا نگراں ہے۔
وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا (فرقان: ۲)	اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک (طبعی) ضابطہ مقرر کیا۔

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ
خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (طٰہٰ: ۵۰)

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو
ایک (مخصوص) خلقت عطا کی اور
پھر (اس کی خلقت کے مطابق) اس کی
رہنمائی کی۔

اس اعتبار سے ایک صاحب ایمان شخص جب کسی بھی مظہر فطرت کو دیکھتا ہے تو اسے اس میں بھی تمام ربانی کمالات دکھائی دیتے ہیں اگرچہ اس کی ظاہری شکل وصورت کچھ بھی ہو اور یہ ایک ایسا وسیع موضوع ہے جس پر ضخیم جلدیں لکھی جاسکتی ہیں اور قرآن عظیم کے تمام اصول وکلیات کو زیر بحث لاکر مظاہر کائنات اور ان کے نظاموں کی تفسیر قرآنی نقطۂ نظر سے کی جاسکتی ہے اور اس علم کی تدوین کے لیے ملت اسلامیہ میں ایک مخصوص جماعت کا وجود ضروری ہے، جو اس کام کے لیے فارغ کردی جائے۔ ورنہ دنیا سے الحاد ولادینیت کا خاتمہ نہیں ہوسکتا اور ملت اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ نہیں ہوسکتی۔ احیائے ملت احیائے علم کے تابع ہے۔ لہذا جب تک علم کا احیا نہ ہو ملت کا احیا بھی عمل میں نہیں آسکتا۔ چنانچہ بعض احادیث میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں (اسمائے حسنیٰ) کا جو تذکرہ آیا ہے وہ دراصل ربوبیت کے مظاہر اور متعدد حیثیتوں سے ربوبیت کی نمائندگی کرنے والے ہیں اور ان تمام کا علمی ثبوت "عالم ربوبیت" یعنی اس کائنات مادی میں موجود ہے اور یہ ایک وسیع ترین علم ہے جس سے آج خود اہل اسلام غافل ہی نہیں بلکہ اس سے مکمل طور پر ناواقف بھی ہیں۔ لہذا اہل اسلام کو ان کا صحیح مقام ومنصب یاد دلانے کے لیے یہ سطریں تحریر کی جارہی ہیں۔ چنانچہ اسمائے حسنیٰ پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

عالم انسانی کے لیے ایک پیام الٰہی واقعہ یہ ہے کہ ایک صاحب نظر کی نظر میں یہ پورا

عالم مظاہر توحیدی جلووں پر مشتمل ہے اور ہر سُو توحید ہی توحید نظر آتی ہے۔ گویا کہ ہم ذاتِ باری اور اس کی توحید کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور اسے بالکل اپنے سامنے پارہے ہیں۔ مختلف اور رنگ برنگے مظاہر ہمارے سامنے یکے بعد دیگرے پریڈ کررہے ہیں اور بھیس بدل بدل کر سامنے آرہے ہیں، مگر ہماری نگاہیں ان کی ظاہریت کا خول توڑ کر توحید باری کا جلوہ کرلیتی ہیں جو ظاہریت کی تہہ میں پوشیدہ ہے۔ یہ ہے مطالعۂ ربوبیت کا مقصد المقاصد۔ ظاہر ہے کہ اس سے ایمان کی کیفیت اور اس کا ٹمپریچر بڑھ جاتا ہے جو اصل مطلوب ہے اور حسب ذیل آیات میں جن صفات الٰہی کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ قرآن کی جامع ترین آیات ہیں جن کا نظارہ بھی ہمیں مطالعۂ کائنات یا مطالعۂ ربوبیت کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ،
عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ،
هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ هُوَ اللّٰهُ
الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ
الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ
الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۔
هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ
لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَهٗ
مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَهُوَ

وہی ہے اللہ جس کے سوا دوسرا کوئی
معبود نہیں ہے۔ وہ عالم غیب اور
عالم مظاہر کے تمام بھیدوں کو جاننے
والا ہے۔ وہ بڑا ہی مہربان اور نہایت
درجہ رحم کرنے والا ہے۔ وہی ہے
اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے
وہ (سارے جہاں کا) بادشاہ، ہر قسم
کے نقائص سے پاک، سلامتی دینے والا،
امن عطا کرنے والا، زبردست قوت
والا، خرابیوں کو درست کرنے والا،

رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ: ۵۰)

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو ایک (مخصوص) خلقت عطا کی اور پھر (اس کی خلقت کے مطابق) اس کی رہنمائی کی۔

اس اعتبار سے ایک صاحب ایمان شخص جب کسی بھی مظہر فطرت کو دیکھتا ہے تو اسے اس میں بھی تمام ربانی کمالات دکھائی دیتے ہیں اگرچہ اس کی ظاہری شکل وصورت کچھ بھی ہو اور یہ ایک ایسا وسیع موضوع ہے جس پر ضخیم جلدیں لکھی جا سکتی ہیں اور قرآن عظیم کے تمام اصول وکلیات کو زیر بحث لاکر مظاہر کائنات اور ان کے نظاموں کی تفسیر قرآنی نقطۂ نظر سے کی جا سکتی ہے اور اس علم کی تدوین کے لیے ملت اسلامیہ میں ایک مخصوص جماعت کا وجود ضروری ہے، جو اس کام کے لیے فارغ کر دی جائے۔ ورنہ دنیا سے الحاد ولادینیت کا خاتمہ نہیں ہو سکتا اور ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ نہیں ہو سکتی۔ احیائے ملت احیائے علم کے تابع ہے۔ لہذا جب تک علم کا احیار نہ ہو ملت کا احیار بھی عمل میں نہیں آسکتا۔ چنانچہ بعض احادیث میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں (اسمائے حسنیٰ) کا جو تذکرہ آیا ہے وہ دراصل ربوبیت کے مظاہر اور متعدد حیثیتوں سے ربوبیت کی نمائندگی کرنے والے ہیں اور ان تمام کا علمی ثبوت "عالم ربوبیت" یعنی اس کائنات مادی میں موجود ہے اور یہ ایک وسیع ترین علم ہے جس سے آج خود اہل اسلام غافل ہی نہیں بلکہ اس سے مکمل طور پر ناواقف بھی ہیں۔ لہذا اہل اسلام کو ان کا صحیح مقام ومنصب یاد دلانے کے لیے یہ سطریں تحریر کی جا رہی ہیں۔ چنانچہ اسمائے حسنیٰ پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

عالم انسانی کے لیے ایک پیام الٰہی واقعہ یہ ہے کہ ایک صاحب نظر کی نظر میں یہ پورا

عالم مظاہر توحیدی جلووں پر مشتمل ہے اور ہر سُو توحید ہی توحید نظر آتی ہے۔ گویا کہ ہم ذات باری اور اس کی توحید کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور اسے بالکل اپنے سامنے پا رہے ہیں۔ مختلف اور رنگ برنگے مظاہر ہمارے سامنے یکے بعد دیگرے پریڈ کر رہے ہیں اور بھیس بدل بدل کر سامنے آ رہے ہیں۔ مگر ہماری نگاہیں ان کی ظاہریت کا خول توڑ کر توحید باری کا جلوہ کر لیتی ہیں جو ظاہریت کی تہہ میں پوشیدہ ہے۔ یہ ہے مطالعۂ ربوبیت کا مقصد المقاصد۔ ظاہر ہے کہ اس سے ایمان کی کیفیت اور اس کا ٹمپریچر بڑھ جاتا ہے جو اصل مطلوب ہے اور حسب ذیل آیات میں جن صفات الٰہی کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ قرآن کی جامع ترین آیات ہیں جن کا نظارہ بھی ہمیں مطالعۂ کائنات یا مطالعۂ ربوبیت کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ، هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ، سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى، يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَهُوَ

وہی ہے اللہ جس کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ عالم غیب اور عالم مظاہر کے تمام بھیدوں کو جاننے والا ہے۔ وہ بڑا ہی مہربان اور نہایت درجہ رحم کرنے والا ہے۔ وہی ہے اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ (سارے جہاں کا) بادشاہ ہر قسم کے نقائص سے پاک، سلامتی دینے والا، امن عطا کرنے والا، زبردست قوت والا، خرابیوں کو درست کرنے والا،

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔

(حشر: ۲۲-۲۴)

اور بہت بڑی عظمت والا ہے (اور ان تمام اعتبارات سے) اللہ کی ذات منزہ ہے ان تمام چیزوں سے جن کو مشرک لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اللہ تو وہ ہے جو (اشیاء کی تخلیق کا) منصوبہ بنانے والا، پیدا کرنے والا اور (انکی) صورت گری کرنے والا ہے۔ (انہی خصوصیات کی بناپر) اس کے (اور بھی) اچھے اچھے نام (صفات عالیہ کمالیہ) موجود ہیں، (چنانچہ انہی تمام خصوصیات کی بناپر) زمین اور آسمان کی تمام چیزیں اس کی حمد و ثنا (زبان حال اور زبان قال دونوں طریقوں سے) کر رہی ہیں (کیونکہ) وہی (اس پوری کائنات کی واحد) زبردست اور حکمت والی ہستی ہے۔

یہ مادیت کی ماری ہوئی انسانیت کے لیے ایک پیام ربانی اور پیام حیات ہے کہ وہ مادہ پرستانہ نقطۂ نظر ترک کرکے خدا پرستانہ نقطۂ نظر سے اشیائے عالم کو دیکھے اور کھلے دل و دماغ اور صحیح نقطۂ نظر کے ساتھ ان کا مطالعہ کرے تو وہ صفات الٰہی کا جلوہ ضرور کر سکتی ہے۔ کیونکہ یہ پوری کائنات صفات الٰہی کا پرتو ہے اور یہاں پر کوئی چیز بے ضابطہ یا

الل ٹپ موجود نہیں ہے بلکہ ہر جگہ نظم و ضبط، منصوبہ بندی، حکمت و دانش اور انتہائی ڈسپلن کا مظاہرہ دکھائی دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام خصوصیات آپ سے آپ نمودار نہیں ہو سکتیں جب تک کہ ایک زبردست قوت والی ہستی کا وجود نہ ہو۔

باطن کے اندھے

لیکن اس راہ میں جو لوگ کور باطن ہیں (جن کو قرآن میں اندھے بہرے کہا گیا ہے) ان کے لیے اس منظم اور پُراز حکمت کائنات میں سوائے "بخت و اتفاق" کے اور کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی اور ایسے لوگ یا تو تجلیات حق کا مشاہدہ کرنا ہی نہیں چاہتے یا پھر وہ تجاہل عارفانہ کے طور پر تمام حقائق سے چشم پوشی کر لیتے ہیں اور ایسے ہی لوگوں کے حق میں حسب ذیل آیات وارد ہوئی ہیں۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ۔

(یوسف: ۱۰۵)

زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی ایسی نشانیاں (دلائل ربوبیت) موجود ہیں جن پر سے یہ لوگ منھ پھیرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ

(یونس: ۱۰۱)

کہہ دو کہ ذرا دیکھو تو سہی کہ زمین اور آسمانوں میں کیا کیا چیزیں موجود ہیں مگر جو لوگ ایمان لانا نہیں چاہتے ان کے لیے (خدا کی) نشانیاں اور ڈراوے کچھ بھی فائدہ نہیں دیتے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ، لَهُمْ

ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور انسان پیدا کر رکھے ہیں، ان کے

قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا أُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ ۔ (اعراف : ۱۷۹)

دل تو ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں تو ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان تو ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ تو یہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں (مگر ایک حیثیت سے) ان سے بھی زیادہ گئے گزرے یہی لوگ (دنیوی عیش میں مگن ہو کر خدا سے) غافل ہیں۔

فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ وَمَا أَنْتَ بِهَادِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ (روم : ۵۲-۵۳)

تم (اپنی) بات بلاشبہ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو سنا سکتے ہو جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر نکل جائیں اور تم اندھوں کو ان کے الٹے راستے سے سیدھے راستے پر نہیں لا سکتے۔ تم تو صرف انہیں لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور ایسے ہی لوگ فرمانبردار ہیں۔

یہ اور اس قسم کی آیات کے ذریعہ دراصل نوع انسانی کے اذہان کو جھنجھوڑنا مقصود ہے تاکہ وہ قرآن عظیم کے حیرت انگیز مضامین کی طرف متوجہ ہو سکیں۔ اس اعتبار سے یہ آیات انسان کے لیے ایک ذہنی آپریشن کی حیثیت رکھتی ہیں، تاکہ جن کے قلوب "زندہ"

ہیں وہ راہ ہدایت کی طرف لپک سکیں اور جن کے قلوب "مردہ" ہو چکے ہیں ان پر خدا کی حجت پوری ہو جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کا ایک قول اس طرح منقول ہے:

وهو احدث الكتب عهداً بالرحمٰن به يفتح الله اعيناً عمياً، وآذاناً صماً وقلوباً غلفاً: قرآن خدائے رحمان کی جانب سے ایک تازہ ترین کتاب ہے جس کے ذریعہ اللہ اندھوں کی آنکھیں، بہروں کے کان اور بند قلوب کو کھول دیتا ہے (کنز العمال ۲/۲۰۶)

مطالعۂ ربوبیت کے ثمرات

جیسا کہ گزر چکا امام غزالیؒ کی تصریح کے مطابق اس کائنات میں خدائی افعال و صفات کے علاوہ اور کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ چنانچہ موصوف نے پورے قرآن کا استقرائی طور پر مطالعہ کر کے اس موضوع پر ۶۳، آیات اپنی کتاب میں یکجا کر دی ہیں اور اس کا نام "جواهر القرآن" رکھا ہے، گویا کہ قرآن کے اصل جواہر یہی ہیں جو اس کے مغز کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ آیات زیادہ تر مظاہر کائنات اور ان کے نظاموں سے متعلق ہیں جن کا خدا کی ربوبیت سے گہرا تعلق ہے اور یہ قرآن حکیم کا ایک مستقل علم ہے۔ جسے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "علم التذكير بآلاء الله" قرار دیا ہے[1]۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذریعہ یاد دہانی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مراد ظاہر ہے کہ اس کی مخلوقات و موجودات ہی ہیں جو قرآن حکیم کی نظر میں ایک اہم ترین علم ہے۔ لہذا اسے کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

غرض یہ علم ایک حیثیت سے ذات و صفات کا علم ہے تو دوسری حیثیت سے وہ خدائی نعمتوں سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ یعنی مظاہر عالم میں غور و فکر کے باعث جہاں

[1] ملاحظہ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص ۱۶، مطبوعہ کراچی۔

ایک طرف اللہ تعالی کی ربوبیت ثابت ہوتی ہے تو دوسری طرف اس غور وخوض کے نتیجے میں عملاً خدائی نعمتوں کا بھی ظہور ہوتا ہے اور اس اعتبار سے دوہرے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ خدا کی یہ نعمتیں خدا کی ربوبیت کا کھوج لگانے والوں کے لیے گویا کہ ایک انعام واکرام کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس علم کی شق اول نظری ہے، جس سے علم واستدلال کی دنیا میں کام لیا جاسکتا ہے اور شق ثانی عملی ہے جو تمدنی واجتماعی حیثیت سے مفید ہے۔ اس اعتبار سے یہ علم دینی ودنیوی دونوں حیثیتوں سے مفید اور اہم ترین ہے اور جو قوم اس میدان میں پیچھے رہ جائے وہ خلافت ارض کے میدان میں کمزور اور پس ماندہ بن کر رہ جاتی ہے جیسا کہ آج دنیا کے حالات شاہد ہیں۔ آج اہلِ اسلام کی پس ماندگی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ان کا رشتہ اس علم سے ٹوٹ چکا ہے جو ان کی غفلت اور بے پروائی کا نتیجہ ہے۔
حالانکہ اس علم کی طرف توجہ دلانے اور اسکی صدا بلند کرنے والا روئے زمین پر سب سے پہلا صحیفہ قرآن عظیم ہی تھا۔ چنانچہ اسلام کی ابتدائی صدیوں کے اہل اسلام نے قرآن نشا ومقصد کے مطابق کام کرکے اس علم کے نوک پلک سنوارے اور اسے خوب ترقی دی، مگر اسلامی حکومتوں کے سیاسی زوال کے بعد اہلِ اسلام کا یہ علمی تفوق باقی نہ رہا اور علم کی شمع مشرق سے مغرب منتقل ہوگئی اور یہ ایک دردناک کہانی ہے۔ پھر زوال اسپین (۱۴۹۲ء) کے بعد مسلمان اس میدان میں بالکل پسماندہ ہوکر رہ گئے اور انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ قرآن حکیم نے انہیں اس سلسلے میں کوئی سبق بھی پڑھایا تھا اور ان کے آباء واجداد نے اس میدان میں کوئی علمی کارنامہ بھی انجام دیا تھا۔ اس اعتبار سے یہ علم آج اہل اسلام کے لیے بالکل اجنبی بن کر رہ گیا ہے۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ اس علم کا تعلق ایک طرف تحقیق ربوبیت سے ہے تو دوسری طرف خلافت ارض سے بھی ہے۔

لہذا مسلمان اس علم سے مزید چھوت چھات برتتے ہوئے اپنے آپ کو زندہ قوموں میں شمار نہیں کرسکتے۔

بہرحال "افعالِ الٰہی" کے مطالعہ اور "صفاتِ ربانی" کی چھان بین سے بے شمار دینی ودنیوی اور تمدنی وسیاسی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں جو اس علم کے ثمرات وحاصلات ہیں اور ان میں سے بعض اہم ترین فوائد یہ ہیں۔

۱۔ اس علم سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت سامنے آتی ہے جو اس کی معرفت کا ذریعہ ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی حقیقت وکیفیت واضح ہوتی ہے کہ وہ اس کائنات پر کس طرح حکمرانی کررہا ہے۔

۳۔ مظاہرِ کائنات کی چھان بین سے قوانین ربوبیت سامنے آتے ہیں جو خدا کی "آیات" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی نظامِ فطرت کی وہ نشانیاں جو "دلائلِ ربوبیت" کہلاتی ہیں اور ان سے منکرین کے خلاف استدلال کرکے ان پر حجت پوری کی جاسکتی ہے۔

۴۔ مظاہر کائنات میں غور وخوض اور تحقیق وتفتیش کے نتیجے میں عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ظہور ہوتا ہے جن سے تمدنی واجتماعی زندگی کو سنوارنے میں مدد ملتی ہے اور جو قوم اس عمل میں مصروف ہوتی ہے وہ ان فوائد سے فرور متمتع ہوتی ہے جیسا کہ آج مغرب کا حال ہے۔

۵۔ مظاہر عالم یا مادی اشیاء کے مطالعہ اور ان کی چیر پھاڑ سے صرف تمدنی فوائد ہی نہیں بلکہ بہت سے ایسے فوائد بھی برآمد ہوتے ہیں جو فوجی وعسکری نقطۂ نظر سے نہایت درجہ اہم ہوتے ہیں۔ چنانچہ آج مغربی قومیں ان مادی قوتوں سے لیس ہوکر کمزور قوموں پر اپنی دھاک بٹھا رہی ہیں اور ان کی ہیبت سے آج عالم اسلام بھی خائف اور سہما ہوا ہے۔ (باقی)

حرم نبوی کے واردات اور مشاہدات

از مولانا حبیب ریحان ندوی ازہری۔ بھوپال

(۲)

مظاہر شرک سے حفاظت کا خدائی انتظام اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی واضح آیتوں کے ذریعے حضور نامدار کی شخصیت کو شرک اور مظاہر شرک سے پوری طرح بری کر دیا۔ جیسا کہ گزر چکا۔ اسی طرح آپ کی صفات کو بھی واضح کر دیا کیونکہ شرک اکثر اوقات صفات کے غلط اندازہ سے ہوتا ہے، جیسا کہ واضح کیا جا چکا کہ زندوں کے علاوہ اموات سے شرک براہِ راست بھی اور استعانت و استمداد وغیرہ کے خوشنما ناموں سے بھی پروان چڑھتا ہے، اس لیے خدا نے حیات و موت کی حقیقت اور فلسفے کو اس طرح ظاہر کیا کہ دونوں کے خالق و مالک ہم ہیں اور یہ زندگی اور موت خدا کے حکم سے آتی ہے اور خدا کی یہ دو عظیم نشانیاں ہیں، ان کے ذریعے وہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے، ہمیشہ زندہ رہنے والا صرف وہ خدا ہے جسے موت نہیں آتی۔

ہر نفس کے لیے موت مقرر ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا: "وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ. كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ (الانبیا: ۳۴ و ۳۵) ترجمہ (اے نبی، تم سے پہلے بھی ہم نے کسی انسان کے لیے ہمیشگی نہیں رکھی، کیا تم مر گئے تو یہ

لوگ ہمیشہ جیتے رہیں گے؛ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم بُرے اور اچھے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں اور آخر کار تم کو ہماری ہی طرف واپس آنا ہے) اس آیت میں چار اصولی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ۱۔ نبیؐ سے پہلے بھی کسی انسان کو دنیا میں ہمیشہ کی زندگی نہیں ملی تھی۔ ۲۔ جب تمہیں بھی مخلوق اور انسان ہونے کے ناطے سے موت آتی ہے تو کیا کوئی دوسرا ہمیشہ رہنے کا دعوی یا امید کر سکتا ہے؛ ۳۔ ہر نفس موت کا مزہ چکھے گی وہ نبی ہو، رسول ہو، امیر ہو، غریب ہو، فرشتے ہوں، جنات ہوں ۴۔ انسانوں کو زندگی میں اچھے اور بُرے حالات جو پیش آتے ہیں دراصل وہ امتحان و آزمائش ہیں۔

تمہیں اور سارے لوگوں کو مرنا ہے اس آیت میں "افان مت" کا جملہ ہے جس کے معنی یہی ہیں کہ تمہیں بھی موت آئے گی لیکن کوئی نکتہ پرور حرف استفہام سے یہ معنی پیدا کر سکتا تھا کہ اگر تم مر گئے کا جملہ ہے اس لیے مزید وضاحت کے ساتھ آپ کی اور سب کی موت کا اعلان اس طرح فرما دیا" اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ، ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (زمر: ۳۹) ترجمہ: (اے نبی تمہیں بھی مرنا ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے اور پھر قیامت کے دن اپنے رب کے حضور سب کو اپنا مقدمہ پیش کرنا ہے)

نبی کی موت یا قتل سے مرتد نہ ہو جانا امت مسلمہ کے سب سے زیادہ مومن گروہ یعنی صحابۂ کرامؓ کو مخاطب کر کے اس حقیقت کا برملا اظہار اس طرح کیا گیا جس میں رسالت محمدیؐ کے حامل کو سابق رسالتوں کے حاملین انبیائے کرام کی طرح صفات بشری سے متصف بتایا گیا اور یہ واضح کیا گیا کہ نبیؐ پر بھی موت طبیعی یا شہادت اور قتل کا عمل نافذ

ہوسکتا ہے اور کسی بھی طرح موت آنے کی صورت میں تم حیرانی و سراسیمگی اور مایوسی ونادانی کا شکار ہوکر اسلام سے روگردانی اور فتنۂ ارتداد کا شکار نہ ہوجانا، اس لیے کہ جو بھی ایسا کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، کیونکہ اللہ زندہ اور باقی ہے اور اس کا ارسال کیا ہوا دین قیامت تک سرتسلیم خم کرنے والوں کو کامیابیوں کی بشارت دے رہا ہے۔

میری قبر کو وثن نہ بنالینا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ان تمام حقائق کو واضح فرمادیا، آپ بیمار ہوئے معتبر روایات کی رو سے آپ نے ہر موقع پر اور مرض الوفات میں بھی توحید باری تعالیٰ کی تعلیم دی اور شرک سے بیزاری کا اعلان فرمایا اور صریح الفاظ میں کہا: "اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد، اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیائھم مساجد (طبقات ابن سعد ۲: ۲۴۴) ترجمہ: (اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا دینا کہ خدا کے بجائے اس کی پوجا کی جانے لگے، اللہ کا غضب اس قوم پر بہت شدید ہوتا ہے جو اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے ہیں)

ان واضح تعلیمات کا اثر تھا کہ صحابۂ کرام اور قرون اولیٰ کے مسلمان شرک سے متنفر رہتے تھے اور غیر اللہ کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتے تھے، نبی کریم پر سکرات موت بھی آئی اور موت کا عمل بھی پورا ہوا، آپ رفیق اعلیٰ کے پاس چلے گئے، آپ کو کفنایا بھی گیا، دفنایا بھی گیا، امور سلطنت چلانے کے لیے آپ کے بعد آپ کے خلیفہ کا بھی انتخاب ہوا۔

دنیاوی، برزخی اور اخروی زندگی

ان واضح شرعی اور مشاہداتی دلائل کی موجودگی میں یہ دعویٰ کرنا کہ آپ حیٌّ لا یموت ہیں، آپ حاضر و ناظر ہیں اور آپ زندہ ہیں حقیقت کے

خلاف ہے، اس موقع پر طرح طرح کے فلسفیانہ دانو پیچ استعمال کیے جاتے ہیں، راقم انتہائی اختصار کے ساتھ یہ بتانا چاہے گا کہ زندگی کی تین قسمیں ہیں ۱- ایک یہ دنیاوی زندگی، مستعار جو جسم و روح کے ساتھ بخشی جاتی ہے اور یہ خدا کا عطیہ ہے، جب روح جسم کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو انسان کو مردہ تصور کیا جاتا ہے اور اس کے جسم کو زمین میں پیوست خاک کر دیا جاتا ہے، اس کے بجائے کسی دوسرے زندہ شخص کو منتخب کیا جاتا ہے، اس کا مال میراث میں بٹ جاتا ہے۔ اس کی بیویاں بیوہ ہوجاتی ہیں وغیرہ ۲- دوسری وہ زندگی جو برزخ کی زندگی کہلاتی ہے اور موت کے بعد سے صور پھونکے جانے تک کی مدت پر حاوی ہوتی ہے، اس مدت میں روحیں خاص مقام پر رکھی جاتی ہیں، کفار و مشرکین کی روحیں سجین میں یعنی سجن جیسی تاریکی اور تنگی کی جگہ میں اور مومن روحیں علیین میں یعنی بلندیوں اور مسرتوں کی جگہ پر، ان روحوں میں حسب مراتب مقامات میں اختلاف ہوتا ہے، صالحین کی روحیں، شہدا کی روحیں، صدیقین کی روحیں سب حسب مراتب قرب ورضا کی منزلوں میں ہوتی ہیں، سب سے اچھی حالت اور جگہ پر انبیاء کی روحیں ہوتی ہیں اور ہمارے نبی پاکؐ کیونکہ اشرف المرسلین ہیں اسلیے آپؐ کی روح پاک سب سے اعلیٰ مقام کی مکیں ہے۔ اس زندگی کو برزخ کی زندگی کہتے ہیں۔ موت کے بعد انسانوں کے زندہ رہنے یا عیش میں ہونے کے سلسلے کی جتنی بھی تفصیلات و کیفیات ہیں وہ سب اسی حیات برزخی سے متعلق ہیں اور اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی دعائیں اور سلام و پیغام ان کو حیات برزخی میں پہونچانے کی قدرت رکھتا ہے۔ نبی کریمؐ کو جب سلام کہا جاتا ہے تو اللہ آپؐ تک پہونچاتا ہے۔ سلام کے معنی سلامتی و سکون کے ہیں، یہ ایک عظیم دعا ہے۔ جو زندہ انسان اپنے زندہ بھائی یا مردہ کو پہونچاتا ہے، عام مسلمانوں مردوں کو بھی

"السلام علیکم دار قوم مومنین" یا "السلام علیکم یا اھل القبور"
کہہ کر سلامتی کی دعا دی جاتی ہے ۳۔ تیسری زندگی وہ ہمیشگی والی زندگی ہے جو آخرت کی ہے
جو دار الخلد، دار القرار اور دار الحیوان میں ہوگی یعنی اہلِ ایمان جنت میں ہمیشہ رہیں گے
اور لذتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور اہلِ کفر و شرک و نفاق ہمیشہ دوزخ میں
رہیں گے اور حسرتوں سے دوچار ہوں گے۔

اس مختصر تفصیل سے واضح ہوا کہ "حیات النبیؐ" کا مسئلہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے،
آپؐ کی حیاتِ برزخی اعلیٰ ترین شکل کے ساتھ ہے اور دنیائے فانی سے آپؐ کی وفات اور رخصت
مسلم الثبوت مسئلہ ہے، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر طرح طرح کے گروہوں نے طرح طرح
کے غلط اور ناروا الزام لگائے ہیں جن میں سے بعض تو من گھڑت افسانے معلوم ہوتے ہیں لیکن
کسی نے آج تک یہ الزام نہیں لگایا کہ انھوں نے نبیؐ کو زندہ بحالت حیات دفن کر دیا ہے
حدیث و سیرت کی کتابوں میں باب وفات النبیؐ کے تحت ہر کیفیت واضح کر دی گئی ہے۔

انبیائے کرام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے جسم کو قبر کی مٹی برباد نہیں کر سکتی،
اللہ کے حکم سے بعض اوقات دوسرے شہدا و صالحین کے اجسام بھی قبر میں محفوظ رہتے ہیں۔

صدیق اکبرؓ کا برمحل اظہار حقیقت کارخانۂ ہستی میں ہر چیز خدا کے حکم اور مقدر فیصلہ کے ماتحت
رونما ہوتی ہے، خدائے حکیم و خبیر نے حضور پاکؐ کی وفات کے بعد بھی حضرتِ صدیق اکبرؓ
کے ذریعے اس حقیقت کا اعلانِ عام ضروری سمجھا، شدتِ غم، وفورِ محبت اور جذبات کے
تلاطم سے مبادا شیطان بہکانے یا کسی قسم کے غلط نظریات کے فروغ دینے کی کوشش
کرے تو ایسی ہر جسارت کو صدیق اکبرؓ کے اس موحدانہ اور الہامی بیان کے ذریعے ختم کر دیا
گیا، صحابۂ کرام غم، پریشانی اور حیرانی کے عالم میں تھے کہ حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے،

یہ ماجرا دیکھا تو برجستہ تقریر کی اور فرمایا "من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات
ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حیّ لا یموت" (جو محمدؐ کی عبادت کرتا تھا تو اب
محمدؐ تو مر گئے، اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے تو بیشک اللہ زندہ ہے اسے کبھی موت
نہیں آتی) بعض روایات میں ہے "فان اللہ قد مات" اس کے بعد حضرت صدیقؓ نے
دلیل کے طور پر یہ قرآنی آیت تلاوت فرمائی "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ
عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ" (آل عمران: ۱۴۴)
اس آیت کا ترجمہ ہم پیش کر چکے ہیں۔

حیّ لا یموت ہی الوہیت و عبادت کا مستحق حضرت ابوبکرؓ کے مومنانہ جملے جو آیت پاک
ہی سے ماخوذ و مستنبط تھے سن کر سارا مجمع سکون آشنا ہو گیا، حضرت ابوبکرؓ نے اسلام
کا حقیقی پیغام جملوں میں بیان فرمایا: ۱۔ عبادت و بندگی صرف اللہ کے لیے ہے ۲۔ عبادت
و تسلیم کامل صرف اسی کے لیے دائمی شکل میں ممکن ہے جو زندہ ہے اور موت اس کو
نہ چھو سکے ۳۔ محمدؐ افضل الخلق ہونے کے باوجود موت کی آغوش میں چلے گئے اس لیے
ان کی عبادت نہیں کی جا سکتی ۴۔ صرف اللہ حیّ لا یموت ہے، اس لیے محمدؐ کی
موجودگی میں بھی صرف اس کی عبادت تھی، موت کے بعد بھی قیامت تک عبادت صرف
اسی کی ہوگی اور اس کے اتارے ہوئے دائمی قانونِ بندگی ہی پر زندگی گزاری جائے گی۔
۵۔ موت مخلوقات کے لیے کمال و معراج ہے کہ باری تعالیٰ کے دربار میں حاضری کا زینہ
ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے موت نقص اور محتاجی ہے اور وہ ہر نقص سے پاک اور منزہ
ہے اس لیے جسے موت آ جائے وہ خدا نہیں ہو سکتا، محمدؐ و عیسیٰؑ و موسیٰؑ و ابراہیمؑ سب

خدا کے اطاعت گزار بندے تھے، نہ خدا ہوسکتے نہ خدا کے اقتدار و سلطنت میں شریک ہوسکتے اور جسے موت نہ آئے وہی برحق معبود اور اللہ ہے۔

حجرۂ عائشہؓ میں دفن کی حکمت وفات کے بعد دفن کا مسئلہ آیا، اس کا انتظام بھی خدا نے اس طرح فرمایا کہ قبر نبیؐ شرک کے مظاہر سے پاک رہے، حضرت ابوبکرؓ نے قول نبویؐ کی روشنی میں آپؐ کو جہاں موت ہوا اسی جگہ دفن کرنے کی روایت پر عمل کیا کہ یہ انبیاء کی خصوصیت ہے، انبیاء کے علاوہ کسی بھی صالح یا برگزیدہ انسان کو اپنے گھر میں دفن کرنے کی ممانعت ہے، تمام اموات المسلمین عام قبرستان میں دفن ہونا چاہئیں اور اگر کہیں بھی کوئی دفن کر دیا گیا اور دو چار قبریں وہاں ہوگئیں تو وہ عام قبرستان کے حکم میں آجاتا ہے اور کسی کو دفن کرنے سے اس میں روکا نہیں جاسکتا۔

دفن کے اس طریقے میں خدا کی حکمت ملاحظہ فرمائیں کہ عرب میں عام طور پر صحرا یا کھلے میدان میں دفنایا جاتا تھا، جہاں شرک سے حفاظت مشکل تھی، لوگ ہر وقت مظاہر شرک کرسکتے تھے، نبیؐ کو گھر کے حجرے میں دفن کیا گیا، کسی بھی گھر میں لوگ اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوسکتے، خصوصاً جب کہ اس میں کوئی عورت رہتی ہو اور وہ عورت بھی ام المومنین اور زوجۂ رسول پاکؐ ہو جس کی حرمت سب سے زیادہ ہو، اسی لیے درود و سلام کے لیے حاضر ہونے والے نہ قبر شریف کو چھو سکتے اور نہ قبر سے چمٹ سکتے، بلکہ ادب کے ساتھ قبر سے دور حجرہ کے باہر ہی سے صلوٰۃ و سلام پہنچا سکتے ہیں اور شرعی طور پر جو زیارت کے آداب ہیں وہ پورے کرسکتے ہیں۔

زیارت قبور کا شرعی طریقہ شرعی زیارت قبور کا طریقہ یہ ہے کہ موت سے عبرت حاصل ہونے کی غرض ہو اور مومن صاحب قبر کے لیے دعائے رحمت و مغفرت ہو اور اپنے لیے

قبر والے سے کسی قسم کی دعا و التجا نہ ہو، نماز جنازہ کی دعا میں بھی مغفرت مانگی جاتی ہے اور "السلام علیکم یا اہل القبور" میں بھی میت کے لیے سلامتی و سکون کی دعا مانگی جاتی ہے۔

بالکل یہی کیفیت قبر نبیؐ کی زیارت میں بھی موجود ہے، درود و صلوٰۃ پڑھا جاتا ہے جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے نبیؐ کے لیے رحمت تامہ و کاملہ کی دعا اور سلام کیا جاتا ہے، سلام کے معنی بھی سلامتی کی دعا ہے اور خدا سے یہ دعا بھی کی جاتی ہے کہ قیامت کے دن اپنے نبیؐ کو میری شفاعت یعنی میرے حق میں دعا کرنے کی اجازت مرحمت فرما۔

کیسا صاف و شفاف اور موحدانہ و مومنانہ طریقہ ہے الوہیت اللہ کا، عبادت اللہ کی، دعا اللہ سے اور نبی کریمؐ کے ذریعے ہمیں ایمان و اسلام کی جو دولت نصیب ہوئی اور راہ مستقیم کی ہدایت ہوئی اس کے لیے اللہ سے آپؐ کے رفع درجات اور مقام محمود نصیب ہونے کی دعا۔

قبروں کے ذریعے شرک و مظاہر شرک جو تاریخی تفصیل ہم پہلے بیان کرچکے ہیں اسی کے پیش نظر شروع میں آنحضرتؐ نے زیارت قبور سے بالکل ہی منع فرمادیا تھا کہ جاہلیت کے رسم و رواج کا بالکل قلع قمع فرمادیں، پھر جب ایمان و اسلام اور توحید کی مکمل بادشاہت دلوں پر قائم ہوگئی اور شرک کا خطرہ زائل ہوگیا تو آپؐ نے اس کی اجازت دی اور حکمت یہ تبلائی کہ قبریں تم کو موت کی یاد دلائیں گی اور مومن اموات کے لیے دعا اور استغفار تو دوسری قرآنی نصوص اور اسوۂ نبیؐ سے ثابت ہے۔

غیر مسلم پر استغفار منع اس سلسلہ کی چند باتیں نمبر وار درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ غیر مسلم کی قبر پر موت سے عبرت حاصل کرنے کی غرض سے کھڑا ہوا جاسکتا ہے

لیکن استغفار منع ہے نص قرآنی سے ان منافقین پر نماز جنازہ منع کردی گئی تھی جن کا نفاق واضح ہو چکا تھا، نماز جنازہ ایک دعائے رحمت و غفران ہی ہے کیونکہ کفر و شرک ایسا مہلک مرض ہے جس سے شفایابی مشکل ہے، حضرت ابراہیمؑ کے باپ اور حضرت نوحؑ کے بیٹے کے لیے دعائے مغفرت قبول نہیں کی گئی بلکہ خدائے پاک نے تنبیہ فرمائی اور حضور پاکؐ کو واضح انداز میں خبردار کر دیا گیا کہ اگر تم ان پر ستر بار مغفرت کی دعا کروگے تو قبول نہ کی جائے گی۔

خدا کا منکر یا اس کی ذات و صفات میں شریک کرنے والا ظلم عظیم کا مرتکب ہے اور خدا کے اقتدار اعلیٰ کو چیلنج کر رہا ہے، اس لیے جس کے متعلق یہ تحقیق ہو جائے کہ کفر و شرک پر اس کی موت ہوئی ہے اس کے لیے دعائے مغفرت عقلی طور پر بھی ناجائز ہونی چاہیے کہ نظام کائنات کے مدبر سے جو بغاوت کا اعلان کر رہا ہے ہم اس سے ولایت کیسے کر سکتے ہیں؟

کافر و مشرک کی زندگی میں اس کے لیے طلب ہدایت کی دعا اور تبلیغ اسلام کا فریضہ ضروری ہے۔

اموات المسلمین کے لیے دعا مستحب | تمام اموات المسلمین کے لیے رحمت کی دعا کا حکم ہے جیسے کہ تمام زندوں کے لیے بھی دعا کا حکم ہے یہ دعا دور سے بھی کی جاسکتی ہے اور قبر کے پاس بھی کی جاسکتی ہے، بالکل اسی طرح حضور رسالتمآبؐ کے لیے درود و سلام یعنی دعا دور سے بھی کی جاسکتی ہے اور قبر شریف کے پاس بھی، اس بات پر پوری امت اسلامیہ کا اتفاق ہے

کسی بھی غرض سے اگر کوئی مسلمان کسی شہر میں جائے تو باتفاق امت وہاں کے مدفونین کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کرنا جائز و مستحب ہے اور ان پر سلام مسنون

ہے بشرطیکہ شرعی طریقہ سے تجاوز نہ ہو۔

زیارت قبور کے لیے سفر کر کے جانا | باقاعدہ نیت اور سفر کر کے گھوڑوں پر پیدل اور ہوائی جہاز پر سوار ہو کر صرف زیارت مومن کے لیے جانے میں علماء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل اس مختصر مضمون میں مشکل ہے تاہم مختصر اشارے ہم کریں گے۔

اکثر علمائے اسلام اس کے جواز کے قائل ہیں اور اسے ایک استحبابی فعل تصور کرتے ہیں" لا تشد الرحال" کو وہ صرف مسجدوں کے لیے مخصوص کرتے ہیں کہ تین مسجدوں مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد الاقصیٰ کے علاوہ دنیا کی ساری مسجدیں برابر ہیں، ہر جگہ نماز کا ثواب برابر ہے' اس لیے صرف نماز پڑھنے کی غرض سے سفر کر کے جانا صحیح نہیں ہے، لیکن اس کے علاوہ دوسرے سارے سفر جیسے علم اور تجارت کے لیے سفر کرنا درست ہے اسی طرح اموات المسلمین پر دعا و مغفرت کی نیت سے سفر کرنا بھی جائز اور مشروع ہے بشرطیکہ شرعی طریقہ کے موافق ہو' میت کے لیے دعا اور مغفرت خدا سے طلب کی جائے' میت سے اپنے لیے کچھ نہ مانگا جائے' مظاہر خضوع و تذلل سے پاک ہو اور یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ خدائے پاک میری دعا و التجا یہاں ضرور سنے گا اور جگہ نہ سنے گا، کیونکہ خدا ہر جگہ دعا سنتا ہے' مسجد میں اور گھر میں اور جوف اللیل یعنی رات کے اندھیرے میں بھی۔

علماء کا دوسرا گروہ جو تعداد میں کم ہے، لیکن اس کے دلائل کم نہیں ہیں' ان کا کہنا ہے کہ" لا تشد الرحال" سفر کر کے جانے کی ممانعت عام ہے اور کسی بھی معظم و مشرف جگہ صرف اس کی زیارت یا برکت کے حصول کے لیے جانا منع ہے' رہا علم اور تجارت کا سفر تو وہ مشروع ہی نہیں اس کا حکم دیا گیا ہے، اس کے دنیاوی و

اخروی منافع ہیں اور وہ اس سفر کے بغیر ممکن نہیں ہیں، جب کوئی مسلمان تجارت یا علم کے حصول کے لیے کسی شہر یا بستی کا سفر کرے گا تو وہ وہاں کے اموات المسلمین کے لیے دعائے مغفرت بھی کرے گا اور قبر پر جا کر سلام و دعا بھی کرے گا، یہ فعل نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ مستحب ہے "نطق نبوی میں" فزوروھا" گو عام ہے قریب و بعید کی قید نہیں ہے، لیکن "تین مسجدوں کے علاوہ کہیں سفر کر کے نہ جاؤ" کی ممانعت سے زیارت قبور بھی مقید ہے یعنی خصوصی نیت اور صرف اس غرض سے سفر کرنے کی ممانعت ہے۔

حج کیونکہ فرض ہے اس لیے پیدل اور سواری پر جانے کا حکم ہے، عمرہ فرض یا واجب ہے اس لیے اس کے لیے بھی سفر فرض یا واجب ہے، علم، تجارت، زیارت اقرباء وغیرہ کے لیے سفر مشروع و مستحسن ہے کہ ان سے فائدہ کا حصول بغیر سفر ممکن نہیں ہے، علماء کے اس گروہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ صرف زیارت قبور کی نیت سے سفر کر کے جانا صحابۂ کرامؓ اور سلف امت کا شیوہ نہیں تھا۔

صرف زیارت قبور کے لیے سفر کر کے جانے کے مقاصد کیا ہو سکتے ہیں؟ ایک تو یہ کہ اموات المسلمین پر سلامتی کی دعا، ان کے لیے استغفار و رحمت الٰہی کی طلب، دوسری زیارت قبور سے عبرت پذیری اور موت کی یاد، یہ دونوں مقاصد بغیر سفر کیے حاصل ہو سکتے ہیں، سلامتی اور رحمت کی دعا خدائے سمیع و بصیر اور حکیم و محیط سے ہر جگہ مانگی جا سکتی ہے، قبر کے پاس جانا شرط قبولیت نہیں، اسی طرح قبر کے پاس جا کر موت کی یاد آنا تو وہ اپنے شہر اور بستی کی قبروں سے حاصل ہو سکتی ہے، اس کے لیے سفر کرنا غیر ضروری ہے، حضور پاکؐ کا ارشاد ہے "لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز یعنی موت کو یاد کرتے رہا کرو"، موت کو یاد رکھنے والا شخص غافل نہیں ہو سکتا، مزید برآں

سفر کر کے صرف زیارت قبور کے لیے جانے کا رواج عام اگر ہو جائے تو افراد کا اور امت اسلامیہ کا بے حساب قیمتی وقت خرچ ہوگا اور بے شمار سرمایہ برباد ہوگا جو کسی دوسرے دینی یا ملی مفید کام میں صرف ہو سکتا ہے۔

عقیدہ و عمل کی بے راہ روی ممنوع ہے

یہاں تک علماء کے دو اقوال جو راقم نے لکھے اور جواز کا پہلا قول جو اکثریت کا لکھا گیا وہ صرف اس صورت میں ہے کہ زیارت قبر کے موقع پر عقیدہ و عمل کی کوئی بے راہ روی نہ ظاہر ہو، نہ شرک کا شائبہ ہو، نہ استعانت بغیر اللہ کی نیت ہو، نہ ان مظاہر خضوع کا اظہار ہو جو خدا کے لیے مخصوص ہیں، نہ قبروں پر میلہ لگایا جائے اور جماعت در جماعت ہزاروں لوگ وہاں جا کر ایسا ماحول پیدا کر دیں جس سے موت کی یاد نہ آئے اور لہو و لعب کا منظر دیکھنے میں آئے اور عورتوں کی کثرت سے موجودگی سے ایک طرف ضعیف الاعتقادی کی راہیں کھلیں اور دوسری طرف بدعملی اور فواحش کے دروازے وا ہوں، نہ قبروں کو دیواروں کو، حجروں کو چھوا جائے کہ یہ کعبہ کے ارکان کے لیے خاص ہے، نہ بوسہ دیا جائے کہ یہ حجر اسود کے لیے خاص ہے، نہ طواف کیا جائے کہ یہ کعبہ کے لیے مخصوص ہے، نہ سجدہ کیا جائے کہ یہ صرف اللہ کے لیے جائز ہے، نہ میت سے منت و نذر مانی جائے، نہ نذر و نیاز چڑھائی جائے کہ یہ سب خدا کے لیے ہونا لازمی ہے، نہ اپنے لیے کسی قسم کی دعا میت سے مانگی جائے، نہ مصیبتوں سے چھٹکارا، نہ کشف کربات، نہ زیادتی اموال نہ طلب اولاد، نہ مقدمات میں جیت جانے کی التجا، الغرض میت سے کسی قسم کی دعا و التجا اور طلب و استعانت کی جائے، صرف میت کے لیے سلامتی و رحمت اور استغفار و رفع درجات کی دعا کی جائے کیونکہ ہر مردہ بھی زندہ کی طرح خدا کا محتاج ہے اور اس کی رحمت

کا امید وار۔

اگر کوئی عالم و فاضل ان تمام مسائل و آداب سے واقف بھی ہو تو کیا جو عوام الناس عام طور سے آج کل اکابر بزرگوں کی قبروں پر جاتے ہیں کیا ان میں سے اکثر و بیشتر یہ تصور بھی کر سکتے ہیں کہ ہم بزرگ کے لیے رحمت کی دعا اور گناہوں سے معافی کی التجا کریں، وہ تو دل کی گہرائیوں سے اپنی مرادیں بر لانے اور میت کے بے شمار اور لافانی فیوض سے استفادہ کی غرض سے آتے ہیں، سجدہ کرتے ہوئے راقم نے اپنی چشم سر سے دیکھا ہے، سجدۂ تعظیمی و غیر تعظیمی کی بحث فضول ہے کہ سجدہ خضوع الٰہی کی سب سے اہم پہچان ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ تعبدی و تعظیمی کسی کا بھی حکم نہیں دیا ہے بلکہ غیر اللہ کے لیے سجدہ سے منع فرمایا ہے، بازار لگتے ہیں، محفلیں سجتی ہیں، عقیدہ و عمل کی بے شمار کج راہیں ظاہر ہوتی ہیں، موت کی یاد دور دور تک نہیں آتی، کیا زیارت قبور کی نبوی اجازت کا یہی مطلب ہے بلکہ اس کا سبب یہی بتایا گیا تھا کہ اس سے تمہیں موت یاد آئے گی۔

بے راہ روی کا تدارک شرعاً ضروری اب جب زیارت قبور سے موت یاد نہ آئے بلکہ لہو و لعب سامنے ہو اور جب کہ زیارت قبور سے مردہ کے لیے سلامتی کی دعا اور استغفار مطلوب نہ ہو بلکہ اپنے لیے مردہ سے استعانت و التجا مقصد بن گیا ہو اور جب کہ شرک اور مظاہر شرک وہاں ظاہر ہوتے ہوں تو ایسی صورت میں علماء کے دونوں فریقوں کے نزدیک زیارت کی یہ شکلیں ممنوع ہوں گی اور عمل نبوی ﷺ کی حکمت سامنے آئے گی کہ "ہر کھڑے ہوئے بت کو مسمار کر دو اور قبر ایک بالشت سے زیادہ اونچی ہو تو اسے برابر کر دو"۔ کیونکہ یہ دونوں شرک کے سب سے بڑے ذرائع ہیں۔

شرعی طور پر سفر کر کے جانے ہی کا مسئلہ نہیں بلکہ اگر یہ مفاسد ظاہر ہوں تو شہر اور بستی کی قبر پر بھی غیر شرعی طریقوں سے جانا منع ہو جائے گا، جائز چیز بھی فقہ و شریعت اسلامیہ میں "سد ذریعہ اور حسم مادہ" کے لیے ممنوع کی جا سکتی ہے۔ سد ذریعہ کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز کسی حرام یا غلط چیز کا ذریعہ بنے اور حسم مادہ کے معنی یہ ہیں کہ جڑ کاٹ دینا جس کی وجہ سے غلط بات عام ہو۔

قبر نبوی کی زیارت اور ایک لفظی نزاع کسی بھی دینی یا دنیوی غرض سے اگر کوئی شخص کہیں کا سفر کرے تو باجماع امت وہاں مسلمانوں کی قبروں پر جانا اور سلام و دعا کرنا جائز اور مشروع فعل ہے، یہاں ایک بحث یہ اٹھائی جاتی ہے کہ کیا قبر نبوی ﷺ کی زیارت کے لیے سفر کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اکثریت علمائے اسلام کا یہی قول ہے کہ مشروع بلکہ مستحبات میں سب سے افضل مستحب ہے، مستحب کا لفظ اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ یقیناً یہ نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ حج کا رکن۔

دوسرے علماء کا خیال ہے کہ سفر کر کے جانے کی ممانعت عام ہے اس لیے قبر شریف کی نیت کر کے جانا مستحسن نہیں ہے۔

لیکن یہ نزاع صرف ایک لفظی و اصولی نزاع ہے، اس سے نفس زیارت پر مطلق اثر نہیں پڑتا کیونکہ مدینۂ طیبہ جانا اور وہاں سے علم و تقویٰ کا حصول ضروری ہے، مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھنے کی نیت سے جانا صحیح ہے یہ ان تین مسجدوں میں ہے جن کے لیے سفر کر کے آنا مشروع و مستحسن ہے اور وہاں نماز پڑھنے کا ثواب حرم مکہ میں نماز کے بعد سب سے زیادہ ہے، اس حیثیت سے ہر مسلمان جب مدینہ شریف پہونچے گا، اور مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوگا تو وہ نماز بھی پڑھے گا اور قبر نبی ﷺ کی زیارت بھی کرے گا۔

مواجہہ شریفہ میں سلام و صلوٰۃ بھی کہے گا اور مقصد پورا ہو جائے گا۔ نماز ایمان کے بعد اسلام کا سب سے بڑا عملی اعلان اور فریضہ ہے، ایمان و کفر کی پہچان ہے، خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہے، نبیؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور روح کا سکون ہے اور نبیؐ پر درود وسلام مومن کی سوغات ہے، رفع درجات کا موجب اور قبولیت دعا کے لیے تریاق اثر ہے۔

ان دونوں اقوال کی روشنی میں یہ اقوال سمجھے جا سکتے ہیں، اکثریت علماء کا خیال ہے کہ زیارت قبر نبوی کی نیت سے سفر کیا جائے دوسرے علماء کا کہنا ہے کہ مسجد نبویؐ کی زیارت کی نیت ہو، کسی نے کہا کہ پہلی بار اگر جائے تو زیارت قبر نبویؐ کی نیت کرے، دوسری بار مسجد نبویؐ کی۔

الغرض یہ مسئلہ ایسا اختلافی نہیں کہ اس پر تکفیر و تضلیل و تفسیق و تجہیل کی نوبت آجائے جب مسجد میں پہنچ جائے گا تو زیارت قبر نبویؐ کی نیت تو کرنی ہی ہوگی، یہ مسئلہ علمی، اصولی اور اجتہادی ہے، ہر فریق نصوص نبویہ سے استنباط و اجتہاد کے ذریعے صحیح علم پیش کرنے اور رضائے الٰہی حاصل کرنے کا جویا ہے اور اصول شریعت و فقہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اجتہادی امور میں عیب جوئی ممنوع ہے، فرمان نبویؐ کے مطابق مصیب کو دو اجر اور مخطی کو ایک اجر ملتا ہے۔

شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ کے خلاف جن جن چیزوں پر فتویٰ بازی اور تفسیق و تضلیل کی کارروائی بعض اہل علم نے کی وہ سب چیزیں غور کرنے سے اجتہادی ہیں اسلیے یہ کارروائی تعصب و تنگ نظری کی آئینہ دار ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ قبر نبویؐ کی زیارت سے منع کرتے ہیں حالانکہ وہ صرف سفر کر کے جانے کا عام حکم بیان کرتے ہیں، ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ مدینہ پہونچنے کے بعد سب اہل علم زیارت قبر شریف کو مستحب کہتے ہیں میں اسے

واجب اور ضروری سمجھتا ہوں۔

بہرحال روضۂ اطہر کی زیارت اور سلام و درود مومن کے لیے سعادت ہے، حج کے ساتھ زیارت نبویؐ کی حدیثوں کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی گو ان کے ضعف اور موضوع ہونے کی بحث طویل اور بے فائدہ ہے۔

زیارت قبر نبوی کے آداب

قبروں کے پاس جو شرک آمیز دلخراش مناظر دیکھنے میں آتے ہیں ان سے دین اسلام و توحید اور شریعت ناطقہ سربگریباں نظر آتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے ہر مسلم و مومن بندے کو ان سے پاک رکھے، اسی لیے فقہائے کرام نے دنیا کے سب سے بڑے توحید کے علمبردار اور مبلغ، خدا کے سب سے زیادہ مطیع اور اطاعت شعار بندے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس جا کر سلام و صلوٰۃ بھیجنے کے آداب بار بار تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں تاکہ عوام شرک پسند مزاج کے ساتھ شرک سے تبری کرنے والے اور خدا کی خدائی کو روئے زمین پر برپا کرنے والے "عبدہ و رسولہ" کی قبر کے پاس شرک کے مظاہر نہ کرنے لگیں اور بدعت و ضلالت کا رواج وہاں عام نہ ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بڑھ کر محبت و اطاعت رسولؐ کا پروانہ اور کون ہوگا؟ آپ بہت زیادہ متبع سنت تھے اور شریعت سے پوری طرح واقف تھے، آپ جب روضۂ شریفہ کے پاس آتے تھے تو سلام و درود مواجہہ شریفہ کے روبرو کرتے تھے اور پھر دعا کے وقت قبلہ رو ہو جاتے تھے تاکہ دور دراز سے آنے والے بدو اور عجم یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ آپ رسول پاکؐ سے کچھ مانگ رہے ہیں، حضرت ابن عمرؓ یہ کمال احتیاط بربنائے تعلیم فرماتے تھے، شرعاً مواجہہ شریفہ میں بھی اللہ سے دعا مانگنے میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ سامنے ہونا یا پیچھے ہونا کوئی مسئلہ نہیں، بلکہ اصل مسئلہ نیت کا ہے، جب مسجد نبویؐ میں توسیع

ہوئی اور حجرۂ عائشہؓ یعنی روضۂ نبیؐ مسجد میں داخل ہوا تو اس وقت سے صفیں اس طرح قائم ہیں کہ بہت سے نمازیوں کا منہ قبلہ کی طرف ہوتا ہے اور پیٹ روضہ کی طرف اور بہت سے نمازیوں کا چہرہ روضہ کے سامنے سے قبلہ ہی کی طرف ہوتا ہے۔

آداب شریعت کا پاس کرنے والا خدا کی رحمت کا سزاوار ہوگا اور رسول پاکؐ کی شفاعت کا مستحق بھی ٹھہرے گا اور آداب شریعت کو توڑنے والا اور شرک آمیز خیالات ومظاہر کرنے والا شفاعت نبیؐ سے محروم رہے گا کیونکہ دنیا میں بھی دعا کی شرط شرک سے تبری ہے، مشرک کو نہ خدا بخشے گا اور نہ انبیائے کرام کو اس کی اجازت ہے کہ اسکے لیے دعائے مغفرت ورحمت کریں، اسی طرح آخرت کی دعا کا نام شفاعت ہے اور اس کے لیے بھی "حسن قول" یعنی خدا کی الوہیت پر کامل یقین اور شرک سے کامل گریز درکار ہے۔

آداب زیارت میں سے یہ ہے کہ وہاں آوازیں بلند نہ کی جائیں، شور وغل نہ کیا جائے، خدا کی خدائی کا اشتہار ہو، نبی کریمؐ نے ہم تک دین پہونچانے اور ہمیں صراط مستقیم دکھانے کے لیے جو کوششیں کیں اور تکلیفیں اٹھائیں ان کا خیال ہو، جالیوں اور دیواروں کو نہ چھوا جائے نہ بوسہ دیا جائے، انتہائی ادب کے ساتھ سلام بھیجا جائے اور ماثور درود پڑھا جائے، خدا سے یہ دعا کی جائے کہ اے اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میری شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت فرما، اس مجاہد حق کے رفع درجات فرما اور اپنے وعدہ کے مطابق آپؐ کو مقام محمود عطا فرما۔

یہ نصیب اللہ اکبر عمر کا قیمتی لمحہ فرصت حیات کا قیمتی لمحہ وہ بھی تھا جب خانۂ کعبہ کے سامنے پہلی بار کھڑا ہوا تھا اور آنکھوں نے جمال وجلال کے اس پیکر کو دیکھا تھا جو خدا کی خدائی کا سب سے پہلا بھی مرکز تھا اور سب سے آخری مرکز بھی ہوگا، اس کے بعد سب سے قیمتی لمحہ

وہ ہے جس میں مسجد نبویؐ میں داخل ہوکر ریاض الجنۃ میں نماز ادا کرکے روضۂ اطہر کے سامنے کھڑا تھا اور وجد وشوق، جذب وکیف اور انبساط ونشاط کے ساتھ السلام علیک یا رسول اللہؐ اور اللھم صل علی محمدؐ کی سعادت حاصل کی، آپؐ کے لیے مقام محمود کی دعا مانگی، خدا سے اپنی غفلتوں اور لغزشوں کی معافی مانگی، وہ خدا جو دعا قبول کرنے کے لیے اپنا دربار رات دن کھولے ہوئے ہے اور کسی زمان ومکان کا محتاج نہیں ہے، اخلاص دل سے مانگی ہوئی دعا ہر جگہ قبول کرتا ہے، کیا وہ مسجد نبویؐ میں درود وسلام کے بعد دعا قبول نہ کرے گا؟ اجابت دعا کے لیے یوں بھی درود پڑھنا اکسیر کا کام کرتا ہے تو آج اس لمحہ میں خدائے ستار وغفار گناہوں کو معاف فرمانے اور راہ مستقیم پر گامزن کرنے کا سامان کیوں نہ پیدا کرے گا۔

سلام ودرود کی سوغات پہنچا کر دل دولت سے معمور تھا، محبت رسول پاکؐ کے جذبات افزوں تھے، اسلام پھیلانے کی خاطر آپؐ کی جانفشانیاں یاد آئیں کی تبلیغ وجہاد کا نقشہ سامنے آیا، فتح مکہ کے بعد تمام بتوں کو مسمار اور تمام قبروں کو سطح کرنے کے عمل سے توحید کا معیار بلند ہوا اور شرک کے بتکدے فنا ہوئے، آپؐ کے ذریعے ہم اسلام میں داخل ہوئے ساری انسانیت قیامت تک جب جب اسلام میں داخل ہوگی اور خیر وبر کے کام کرے گی سب کا ثواب جناب رسول خدا کو ملتا رہے گا۔ حیات طیبہ کے چند مختصر گوشے اگلے صفحات میں بیان کیے جائیں گے۔

سلام ہو تجھ پر فخر بنی آدم، رسولوں کے خاتم، شریعت کو مکمل کرنے والے، پیغام الٰہی کو زمان ومکان کے قیود سے آزاد کرکے ساری دنیا میں پہنچانے والے۔

دینِ حق کو ظاہر و غالب کرنے والے، کائنات میں سب سے افضل و اکمل انسان، کامل و مکمل مسلمان۔

پھر افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق، خلیفۂ رسول اللہؐ، صاحبِ غارؓ مرتدوں کو کیفرِ کردار تک پہونچا کر امتِ اسلامیہ کے جسم میں دوبارہ روح پھونکنے والے صدیق اکبرؓ پر سلام کی سعادت حاصل ہوئی۔

پھر الفاروق بین الحق والباطل، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام بھیجا، ان دونوں خلفائے رسول کی سعادت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ دنیاوی زندگی میں انہیں رسولِ پاکؐ کی رفاقت و صحبت نصیب ہوئی، قبر میں بھی جوارِ رسول میں ہیں اور قیامت کے دن بھی انہیں قربت و رضا کی منزلیں عطا ہوں گی۔

مسجدِ رسولؐ میں نماز کی سعادت اور روضۂ اطہر پر درود و سلام ایمان و یقین کی تازگی و نشاط کا سرمایۂ جاوداں ہے اور روح کی سرمستی و اوج بختی کی عظیم نشانی ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی کا عظیم کارنامہ۔ تدبر قرآن

از جناب رفیق احمد صاحب فتح پور

مولانا امین احسن اصلاحی کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا مشکل ہے، یہ امت مسلمہ کا عظیم سانحہ ہے، انھوں نے متعدد اہم اور بلند پایہ علمی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، جن میں تدبر قرآن، تزکیۂ نفس، حقیقت توحید، حقیقت شرک، حقیقت تقویٰ اور دعوتِ دین اور اس کا طریقۂ کار وغیرہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں، لیکن ان کا سب سے مہتم بالشان علمی کارنامہ ان کی تفسیر تدبر قرآن ہے جو مسلمانوں کے اندر قرآن فہمی کا صحیح ذوق و شوق پیدا کرنے کے لیے لکھی گئی ہے، قرآن حکیم جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا سرچشمہ اور کفر و ضلالت کے اندھیروں میں چراغِ راہ بن کر آیا تھا، مگر افسوس کہ مسلمان اس سے غافل ہوگئے اور ان کے بعض علماء تک اس سے زندگی کے معاملات میں رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے اسے صرف تعویذ و گنڈے کے کام میں لاتے تھے، اسی لیے موصوف نے قرآن مجید پر اپنی خاص توجہ مرکوز کی، ان کا خیال تھا کہ یہی وہ بنیاد ہے جس کو مضبوط کر کے ملت کی شیرازہ بندی اور اس کے تنِ مردہ میں روح پھونکی جاسکتی ہے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر انھوں نے نو۹ جلدوں پر مشتمل ایک تفسیر "تدبر قرآن" تصنیف کی۔ قرآن کی تفسیر لکھنا ایک بہت دشوار کام ہے جس کو وہی شخص انجام دے سکتا ہے جس کا مطالعہ وسیع ہو اور جس کو عربی زبان پر مکمل قدرت حاصل ہو، علاوہ ازیں وہ

ترجمہ کے فن کی نزاکتوں اور قرآنِ حکیم کے مزاج و روح سے واقف ہو اور وہ جدید حالات و مسائل اور ان کی وجہ سے پیدا ہونے والے شکوک و شبہات اور مستشرقین کے سوالات کے جواب دینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ مولانا اصلاحی نے اپنی تفسیر میں ان تمام چیزوں کو بڑے ہی سلیقے سے نبھایا ہے وہ خود لکھتے ہیں:

" تدبر قرآن میں اس طرح کے فتنے کا سر میں نے اچھی طرح سے کچل دیا ہے، جو لوگ غور سے اس کا مطالعہ کریں گے وہ انشاء اللہ مستشرقین، یہود اور روافض کی اس طرح کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ رہیں گے " (حوالہ تدبر قرآن جلد ۸ صفحہ ۸ مطبوعہ تاج کمپنی دلی ۱۹۸۹ء)

مولانا اصلاحی کی شخصیت کی تعمیر میں ترجمان القرآن علامہ حمید الدین فراہی کا ہاتھ رہا ہے جو قرآنی علوم کے ماہر و غواص اور اس میدان میں ایک مجددانہ شان کے مالک تھے جو رطب و یابس تفسیری روایات اور قدیم مفسرین کے اقوال ہی پر قانع نہیں رہے بلکہ اپنے مجتہدانہ ذوقِ نظر سے اپنے لیے صفِ عام سے ایک الگ جگہ بنائی اور قرآن کے اسرار و رموز کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کی قرآن فہمی وسعتِ مطالعہ اور مجتہدانہ شان کا اندازہ ان کی قرآنیات سے متعلق کتابوں اور انکے تفسیری اجزا سے پوری طرح ہوتا ہے۔ مولانا اصلاحی اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

" میرا فکر میرے استاد کے فکر سے کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ استاد مرحوم کے فکر کی توجیہ و تکمیل ہے " (دیباچہ تدبر قرآن فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۸ء ص ۸۰)

مولانا اصلاحی نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ قرآن حکیم پر غور و فکر کرنے میں گزارا ہے۔

خود انہیں کے الفاظ میں انہوں نے

" قرآنِ حکیم کی ایک ایک سورہ پر ڈیرے ڈالے ہیں ایک ایک آیت پر فکری مراقبہ کیا ہے اور ایک ایک لفظ اور ایک ایک ادبی یا نحوی اشکال کے حل کے لیے ہر اس پتھر کے الٹنے کی کوشش کی ہے جس کے نیچے کسی سراغ کے ملنے کی توقع ہوئی ہے " (مقدمہ تدبر قرآن جلد ۱ صفحہ ۱۲)

مولانا اصلاحی ایک جگہ مزید لکھتے ہیں:

" تفسیر تدبر قرآن پر میں نے اپنی زندگی کے پورے پچپن سال صرف کیے ہیں جن میں سے ۲۳ سال صرف کتاب کی تحریر و تسوید کے نذر ہوئے ہیں اگر اسکے ساتھ وہ مدت بھی ملا دی جائے جو استاد امام نے قرآن کے غور و تدبر پر صرف کی ہے اور جس کو میں نے اس کتاب میں سمونے کی کوشش کی ہے تو یہ کم و بیش ایک صدی کا قرآنی فکر ہے جو آپ کے سامنے تفسیر "تدبر قرآن" کی صورت میں آیا ہے "۔

(دیباچہ تدبر قرآن جلد اول صفحہ ۸ تاج کمپنی ۱۹۸۹ء)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی تفسیر کتنی محنت شاقہ اور مدتوں کے غور و فکر کا نتیجہ ہے اور اس کا آغاز مولانا کے " ترفہ اور خوش حالی " کے بجائے مدرسۃ الاصلاح کی " عسرت زندگی " کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا اور جس کی تحریر و تسوید کی ابتدا دوسری شادی کے بہت بعد اور جماعت سے علٰحدگی کے بعد ایسی جگہ اور حالات میں ہوئی جب مولانا ناتواں اور بوڑھے ہو چکے تھے اور عسیر الحال ہی تھے، جس کی تفصیل تدبر قرآن کے دیباچہ کے علاوہ رسالہ تدبر کے مولانا امین احسن اصلاحی نمبر میں مولانا پر ترفہ کی پھبتی کسنے والے بھی ملاحظہ کر سکتے ہیں:

مولانا موصوف کی قرآنی فکر کا مرکزی نقطہ نظم قرآن ہے۔ مولانا پورے قرآن مجید کو ایک مربوط فکری نظام کا حامل بتاتے ہیں، ان کے نزدیک ہر آیت اور ہر سورہ ایک دوسرے سے مربوط ہے اور قرآن حکیم ایک حکیمانہ نظم و ترتیب رکھتا ہے اور ہر سورہ ایک مرکزی مضمون یا عمود پر مشتمل ہے، مولانا نے قرآن مجید کے ربط و نظام کی روشنی اور کلام عرب سے استشہاد کر کے حکمت قرآن کی تفہیم میں گہرائی و گیرائی پیدا کی اس سلسلہ میں بھی انہوں نے اپنے استاد ہی کی پیروی کی ہے اور ان کی ہی کوشش کو کامیاب کوشش قرار دیتے ہیں، جیسا کہ وہ رقمطراز ہیں:

"اس راہ میں سب سے پہلی کامیاب کوشش کی سعادت میرے استاد مولانا حمید الدین فراہی کو حاصل ہوئی"۔ (مقدمہ تدبر قرآن جلد اول صفحہ ۱۹ تاج کمپنی)

نظم کی مشکلات کی وجہ سے دوسرے مفسرین نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں کی جیسا کہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

"ترتیب اور نظم کا علم ایک نہایت اعلیٰ علم ہے لیکن اس کے مشکل ہونے کے سبب سے مفسرین نے اس کی طرف بہت کم توجہ کی ہے، امام فخر الدین کو اس چیز کا سب سے زیادہ اہتمام رہا ہے ان کا قول یہ ہے کہ حکمت قرآن کا اصلی خزانہ اس کے نظم و ترتیب ہی میں چھپا ہوا ہے"۔ (بحوالہ مقدمہ تدبر قرآن جلد اول صفحہ ۱۸)

نظم قرآن سے متعلق علامہ ولی الدین ملوی کا ارشاد ہے:

"جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ قرآن مجید کا نزول چونکہ حالات کے تقاضوں کے تحت تھوڑا تھوڑا کر کے ہوا ہے اس وجہ سے اس میں نظم نہیں تلاش کرنا چاہیے ان کو دھوکا ہوا ہے، قرآن مجید کا نزول بلاشبہ حسب حالات جستہ جستہ ہوا ہے

لیکن اس کی ترتیب نہایت گہری حکمت ملحوظ ہے"۔ (مقدمہ تدبر قرآن جلد اول صفحہ ۱۹)

مولانا نے قرآنی آیات کی تفسیر میں القرآن یفسر بعضہم بعضاً (قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر کرتا ہے) اور النظائر تفسر بعضہا بعضاً (آیتوں کے نظائر ایک دوسرے کی تفسیر کرتے ہیں) کے اصول کو اپنایا ہے، اس اصول کا ذکر بعض معتبر مفسرین نے بھی کیا ہے تاہم انہوں نے اس کا اہتمام جس قدر دیدہ ریزی اور وسعت کے ساتھ کیا ہے اس کی مثال دوسروں کے یہاں نہیں ملے گی۔

گو مولانا کے نزدیک تفسیر اور قرآن فہمی کا اصل دارومدار قرآن مجید ہی ہے تاہم وہ اس کے بعد قرآن کی تفسیر و ترجمانی کے لیے احادیث سے بھی مدد لیتے ہیں یہ خیال درست نہیں ہے کہ مولانا اپنی تفسیر میں آثار و احادیث سے استفادہ نہیں کرتے، اگر تدبر قرآن کے مقدمہ کو غور سے پڑھا جائے تو یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ مولانا نے آثار و احادیث سے بھی استفادہ کیا ہے، انہیں کے الفاظ میں:

"میں احادیث کو تمام تر قرآن ہی سے ماخوذ و مستنبط سمجھتا ہوں اس وجہ سے میں نے انہیں احادیث تک استفادے کو محدود نہیں رکھا ہے جو قرآن کی کسی آیت کے تعلق کی صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں بلکہ پورے ذخیرۂ احادیث سے اپنے امکان کی حد تک فائدہ اٹھایا ہے خاص طور پر حکمت قرآن کے مسائل میں جو مدد مجھے احادیث سے ملی ہے وہ کسی بھی دوسری چیز سے نہیں ملی"۔ (مقدمہ تدبر قرآن جلد اول صفحہ ۳۰)

البتہ قبول حدیث کے تعلق سے ان کا رویہ بڑی احتیاط پر مبنی ہے، جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:

"اگر کوئی حدیث مجھے ایسی ملی ہے جو قرآن سے متصادم نظر آئی ہے تو میں نے اس پر ایک عرصہ تک توقف کیا ہے اور اسی صورت میں اس کو چھوڑا ہے جب مجھ پر یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی ہے کہ اس حدیث کو ماننے سے یا تو قرآن کی مخالفت لازم آتی ہے یا اس کی زد دین کے کسی اصول پر پڑتی ہے۔" (مقدمہ تدبر قرآن جلد اول ص۳)

علامہ سیوطی بھی اسی اصول کے قائل نظر آتے ہیں ان کا ارشاد ہے:

"قرآن کی تفسیر سب سے پہلے خود قرآن میں ڈھونڈنی چاہیے جب قرآن سے اس کی تفسیر نہ ہو سکے تو سنتِ رسول کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ سنت قرآن کی شارح اور مفسر ہے، امام شافعی کا قول ہے کہ نبیؐ نے جو کچھ بھی فرمایا ہے سب قرآن سے ماخوذ ہے۔" (الاتقان فی علوم القرآن ۲۲۵/۲ مطبع مصطفیٰ البانی مصر ۱۹۷۸ء)

اور یہی طریقہ علمائے احناف کا بھی ہے شیخ ابو زہرہ لکھتے ہیں:

"وہ (امام ابو حنیفہ) قرآن کی دلالت اس کی عبارتوں کے مفہوم اور اس کے اشارات کو اختیار کرتے ہیں، اس صورت میں وہ احادیث کو ترک کر دیتے ہیں اس کی وجہ روایت کے قبول کرنے میں احتیاط اور نصِ قرآنی کی جس کے صدق و صحت میں کوئی کمی نہیں ہے روایت حدیث پر ترجیح دینا ہے جو محتمل صدق ہے اور جس میں کذب کا امکان پایا جاتا ہے" (حیات امام ابو حنیفہ صفحہ نمبر ۴۴۵ از غلام احمد حریری اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۰ء)

شیخ موصوف امام ابو حنیفہ اور فقہائے عراق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ

ہر مسئلہ میں نصوص قرآنی کو ہی اختیار کرتے ہیں۔

"تم ان کو پاؤ گے کہ انھوں نے نصوص قرآنی کو اختیار کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور آیت سے متعلق احادیث پر کوئی توجہ نہیں دی۔" (حیات امام ابو حنیفہ ترجمہ غلام احمد حریری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی صفحہ ۴۴۵)

عامیانہ تقلید کے خوگر لوگوں پر نہ حدیث کے بارے میں مولانا کا موقف واضح ہو سکا ہے اور نہ ان کی رسائی قرآن مجید کے حقائق و دقائق تک ہو سکی ہے اس لیے وہ مولانا جیسے متبحر عالم اور مجتہدانہ شان رکھنے والے پر سطحی تنقید کرکے اپنے چھوٹے قد کو بڑا کرنا چاہتے ہیں۔

بعض مفسرین نے شان نزول کو بہت اہمیت دی ہے اور اس عنوان کے تحت تمام رطب و یابس چیزیں جمع کر دی ہیں مگر قرآن کے الفاظ و معنی میں بڑی وسعت ہے اس کے معنی و مفہوم کو شانِ نزول کے حصار میں محدود نہیں کیا جا سکتا اس لیے مولانا اصلاحی نے اپنی تفسیر میں شانِ نزول پر بحث نہیں کی ہے، شانِ نزول کے تعلق سے بھی وہ منفرد رائے رکھتے ہیں۔ رقمطراز ہیں:

"شان نزول سے متعلق میرا جو مسلک ہے اور جس کی میں نے اس کتاب میں پیروی کی ہے وہ میں اپنے استاد مولانا فراہی کے الفاظ میں بیان کیے دیتا ہوں

"شانِ نزول کا مطلب جیسا کہ بعض لوگوں نے غلطی سے سمجھا ہے یہ نہیں ہے کہ وہ کسی آیت یا سورہ کے نزول کا سبب ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد لوگوں کی وہ حالت اور کیفیت ہوتی ہے جس پر وہ کلام برسر موقع حاوی ہوتا ہے، کوئی سورہ ایسی نہیں ہے جس میں کسی خاص امر یا چند خاص امور کو مدنظر رکھے بغیر

کلام کیا گیا ہو اور وہ امر یا امور جو کسی سورہ کے مدنظر ہوتے ہیں اس سورہ کے مرکزی مضمون کے تحت ہوتے ہیں۔ لہذا اگر شان نزول معلوم کرنی ہو تو اس کو خود سورہ سے معلوم کرو جس طرح ایک ماہر طبیب دوا کے نسخہ سے اس شخص کی بیماری معلوم کر سکتا ہے جس کے لیے نسخہ لکھا گیا ہے اسی طرح تم ہر سورہ سے اس کی شان نزول معلوم کر سکتے ہو اگر کلام میں کوئی موضوع پیش نظر ہے تو اس کلام اور اس موضوع میں وہی مناسبت ہوگی جو مناسبت لباس اور جسم میں بلکہ جلد اور بدن میں ہوتی ہے۔" (مقدمہ تدبر قرآن جلد اول صفحہ ۳۱)

مولانا اصلاحی کے بعض کم سواد معترضین کہتے ہیں کہ وہ کسی لفظ کی تشریح و وضاحت میں صحابۂ کرامؓ کے اقوال کو نظر انداز کر کے جاہلی دور کے اشعار سے مدد لیتے ہیں جبکہ ہمارے اسلاف نے بھی تفسیر قرآن کے لیے عربی زبان اور اس کی لسانی خصوصیات سے واقفیت و عبور کو لازمی قرار دیا ہے۔ امام بیہقیؒ نے حضرت امام مالکؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"میرے پاس جو بھی ایسا مفسر لایا جائے گا جو لغت عرب سے بے بہرہ ہونے کے باوجود قرآن کی تفسیر کرتا ہو تو میں اسے عبرت ناک سزا دوں گا۔" (تاریخ تفسیر مفسرین از غلام احمد حریری صفحہ ۲۵۱)

حضرت عمرؓ اپنی ایک تقریر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"تم لوگ اپنے دیوان کی حفاظت کرو گمراہی سے بچ جاؤ گے، لوگوں نے پوچھا ہمارا دیوان کیا ہے، آپ نے فرمایا دور جاہلیت کے اشعار اس میں تمہاری

کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معنی موجود ہیں۔ (قاضی بیضاوی سورہ نحل کی تفسیر آیت ۴۶)

علامہ سیوطی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ "جب تمہیں قرآن میں کوئی مشکل پیش آئے تو اسے جاہلی اشعار میں تلاش کرو اس لیے کہ وہ عربوں کا دیوان ہے (المزہر فی علوم اللغۃ، ۲/۳۰۲ مصر)

حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب تم سے قرآن کی کسی آیت کی تفسیر نہ ہو سکے تو اس کو کلام عرب میں تلاش کرو اس لیے کہ وہ عربوں کا دیوان ہے، (تبریزی شرح دیوان حماسہ ۱/۳)

مختصر یہ کہ تدبر قرآن اپنی معنویت، جامعیت اور لفظی تحقیق اور گوناگوں خوبیوں اور محاسن سے آراستہ ہونے کی بنا پر تفسیری لٹریچر میں ہمیشہ یاد رہے گی اور کبار مفسرین رازی، زمخشری، سیوطی اور آلوسی کی طرح مولانا کو بھی یاد کیا جائے گا، یہ کتنی بڑی سعادت تھی کہ انہوں نے قرآن کی خدمت میں نصف صدی گزار دی اور اپنی خداداد صلاحیتوں کو قرآن حکیم کی حکمت کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے وقف کر دیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے موصوف پر قرآن فہمی کی ایسی راہیں منکشف کی ہیں کہ مستقبل کے مفسرین کے لیے ان کے نقش قدم نشان راہ ثابت ہوں گے ع این دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

مولانا کی یہ تفسیر علمی حیثیت سے ممتاز اور بلند پایہ تو ہے ہی۔ وہ اردو کے ادیب و انشاپرداز اور شبلی اسکول کے مشاق اہل قلم تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر زبان و بیان کی لطافت و رعنائی سے بھی معمور ہے، اس میں جذباتیت، سوقیت اور عامیانہ پن انہی لوگوں کو نظر آئے گا جو بقول حافظ

ع چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

خدا سے دعا ہے کہ موصوف کی قبر کو نور سے بھر دے اور انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

سنسکرت زبان کی لغوی برتری

از جناب گوردیال سنگھ مجذوب صاحب

"مقالہ نگار متعدد زبانوں کے ماہر اور پختہ عالم ہیں، انھوں نے اس مقالہ میں اپنے جو خیالات پیش کیے ہیں ان سے پوری طرح راقم کو بھی اتفاق نہیں ہے تاہم لسانیات اور علم الاشتقاق سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔"

عالمی زبانوں کی تقسیم دو زمروں میں کی گئی ہے، کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام حام اور دوسرے کا سام تھا، چنانچہ دنیا بھر کی تمام زبانیں انہیں کے نام پر حامی اور سامی زبانوں کے نام سے موسوم ہوئیں۔ اس کو مختصراً یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ سامی زبانوں میں عبرانی اور عربی زبانیں آتی ہیں جو مشرق وسطی کے ممالک یعنی عراق، شام، سعودی عربیہ، یمن، مصر، کویت، لبنان، شمال مغربی افریقہ، فلسطین، اسرائیل وغیرہ میں مروج ہیں۔ یہ زبانیں دائیں سے بائیں جانب لکھی جاتی ہیں۔ اگرچہ فارسی، پشتو اور سندھی وغیرہ جیسی چند اور زبانیں بھی دائیں سے بائیں لکھی جاتی ہیں تاہم ان زبانوں کا بھی قدیم ماخذ سنسکرت ہے مگر بعد میں سیاسی اقتدار اور سامی زبانوں کے غلبہ کی وجہ سے یہ بھی دائیں سے بائیں جانب ہی لکھی جانے لگیں، چونکہ سنسکرت زبان علمی و دینی ہونے کے باوجود سیاسی اقتدار سے محروم ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں بعد میں رواج نہ پاسکی اس لیے یہ زبان مردہ زبان بن کر رہ گئی گو مردہ زبان کی اصطلاح اس پر اس کے کمال و برتری کے لحاظ سے موزوں نہیں تاہم

ہماری مراد اس سے ایک ایسی زبان سے ہے جو معلوماتی اعتبار سے تو تمام دنیا کے لیے مشعل راہ ہے اور موجودہ سائنسدانوں نے اسی زبان کے مقدس صحائف اور ویدوں سے بھی روشنی حاصل کرکے اپنی تحقیق کو آگے بڑھایا ہے، لیکن مردہ اس اعتبار سے ہے کہ ہندوستان کے کسی بھی حصہ میں یہ مکمل طور سے نہیں بولی جاتی، البتہ ہندوستان کے اکثر صوبوں اور بالخصوص جنوبی ہند کے علاقوں میں اس کے عناصر کا جزوی اختلاط بخوبی مشاہدہ میں آتا ہے۔

حامی زبانوں کا منبع سنسکرت زبان ہے، یہ زبانیں بائیں سے دائیں جانب لکھی جاتی ہیں اور یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ مشرقی دنیا کا تمام جغرافیائی رقبہ اسی زبان کے زیر اثر ہے۔ برمی، چینی، جاپانی، کوریائی، ملیشائی وغیرہ زبانوں کی ام اللغات یہی ہے، مغربی دنیا میں یورپ ایشیا، یونان، روم نیز وہ تمام زبانیں جنھیں انڈو جرمن زبانیں یا انڈو یورپی زبانیں کہا جاتا ہے، یہ سب کی سب حامی زبانوں کے زمرے میں آتی ہیں۔

قدیم بازنطینی اور یونانی تہذیب و تمدن کے لسانی ڈھانچے اور تشکیلیں سنسکرت زبان کے اثرات ہی کو قبول کیے ہوئے ہیں۔ انگریزی زبان جو عالمی سطح پر رائج ہے اور اپنی غیر معمولی وسعت و ترقی کی وجہ سے تمام یورپی اور بازنطینی زبانوں پر فوقیت رکھتی ہے، اس لیے بھی سنسکرت زبان سے استفادہ کیا ہے بلکہ اس کے بعض مفردات کی اس سے مشابہت اس امر کے برملا شاہد ہیں کہ انگریزی اور فارسی زبان کے پاس اپنے کوئی موروثی الفاظ موجود ہی نہیں تھے اس لیے انہیں الفاظ کی مستقل حیثیت قرار پاگئی ہے اور یہ امر سنسکرت کی برتری کا ایک روشن اور بین ثبوت ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ انگریزی زبان کی ڈکشنری کا تقابلی مطالعہ اور لفظوں کی شکلوں کی مشابہت اور ان کے حروف کی ترکیبی ہیئت پر نظر ڈالنے سے یقیناً بیشتر الفاظ بڑی حد تک کلی یا جزوی طور پر سنسکرت زبان سے ہی ماخوذ

نظر آئیں گے، بلکہ بعض صورتوں میں یہ مطابقت سو فیصد دکھائی دے گی۔ ایک مختصر گوشوارہ سے ہمارے دعویٰ کی تصدیق بھی ہوجائے گی اور اس کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

سنسکرت زبان میں ہیئت یا منبع — انگریزی مفردات

BOND	बन्धन	DENT	दंत
SAINT	संत	AUGUST	अगस्त
JUVENILE	यौवन	ELOPEMENT	अलोप
DOOR	द्वार	FATHER	पितर
MOTHER	मातर	WIDUW	विधवा
PATRIMONY	पितर	MATRIX-MATIMONY	मातर
BROTHER	भ्राता	GENUS	जनम
MENSURATION	मान	THEOLOGY	देव

اگرچہ ڈکشنری میں ان کے لسانی مآخذ رومن یا یونانی زبان سے منسوب کیے گئے ہیں تاہم غور و خوص سے ان کا لسانی منبع و اصلی مرجع سنسکرت زبان ہی معلوم ہوتی ہے۔ جو بتدریج استعمال سے یونانی زبان تک رسائی پاکر بازنطینی میں شامل ہوگئے اور پھر اس کے صرفی نظام کے تحت انہیں فعلی یا منعوتی شکلوں میں ڈھالا گیا۔

انگریزی زبان نے اپنے موجودہ لغوی ذخیرہ میں اضافہ اور وسعت پیدا کرنے کے لیے بسا اوقات سنسکرت زبان کے "سوابق" PREFIXES کا سہارا بھی لیا ہے جن کے استعمال سے اصطلاحات گھڑنے اور معنوی اختلاف و امتیاز ظاہر کرنے کے لیے سنسکرت کے یہی سابقے بہت حد تک ممد و معاون رہے ہیں، اس طرح انگریزی زبان نے آج عالمی سطح پر مابہ الامتیاز

مقام حاصل کرلیا ہے۔ ذیل میں اس کی بعض مثالیں ملاحظہ ہوں:

سنسکرت کے سابقے	انگریزی مفردات کی مثالیں
परि	PRECEPT, RPEVENT, PRESERVE
परो	PROJECT, PROGRESS, PROHIDIT
पर	PURVIEW, PURPOSE, PERSPECTIVE
अंतर	INTROSFECTION, INTROCULAR, INTERJACENT
(ادات अ-अन)	ANALEGIC, ANONYMOUS
[کسی صفت کی نفی کے لیے استعمال میں آتا ہے]	ANACHRCHROMISM, ANACLAST, APATHY

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کن اصولوں کے مطابق انگریزی مفردات سنسکرت سے تبدیل ہوئے ہیں، اگر ان کے کچھ حروف متبادل حروف میں تبدیل کیے گئے ہیں تو ان کی مثالیں کیا ہیں۔

انگریزی لغت میں متعلقہ مفردات کی اشتقاقی تشریح کے ضمن میں زیادہ تر لاطینی اور یونانی ماخذ کا حوالہ ہی دیا جاتا ہے اور صرف کہیں کہیں سنسکرت ماخذ کا بھی ذکر ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جہاں پر ماہرینِ لسانیات نے انگریزی مفردات کا اشتقاقی منبع محض بازنطینی یا یونانی زبان ہی کو قرار دیا ہے وہاں بھی تحقیق و تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ماخذ درحقیقت سنسکرت زبان ہی ہے، مثال کے طور پر ہمارے سامنے انگریزی کا ایک لفظ FERREOUS ہے اس کا اشتقاقی ماخذ لاطینی زبان کا لفظ FERRUM بتایا گیا ہے جس کے معنی "لوہے"

کے ہیں لیکن بالعکس اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو ہمیں جلد ہی اس کی اصل ہیئت معلوم ہوجائے گی، دراصل اس انگریزی لفظ کی اصل صورت پارس تھی جو فارسی زبان کے واسطے سے سنسکرت سے ہی مشتق ہے، ایسے چند الفاظ کا ذیلی گوشوارہ پیش کیا جارہا ہے جن کے کچھ الفاظ میں موجود حرف "پ" کو حرف "ف" سے بدلا گیا ہے، ان کو جہاں فارسی لغت کے ماہرین نے ان کی اصلی صورت "پ" حرف کے ساتھ ہی قائم رکھا ہے وہاں عربی زبان کے ماہرین نے انہیں بجائے "پ" فاء میں بدل دیا ہے اور اسی کو انگریزی زبان والوں نے بھی عربی لغت کے تتبع میں فاء ہی میں تبدیل کیا ہے۔

ہیئتی گوشوارہ

سنسکرت	فارسی	انگریزی
पितर	پدر	FATHER
	فیثاغورث	PYTHAGORAS
परकार	پرکار	فرجار (عربی)
पारस	پارس	FERREOUS

عربی والے اسی طرح گ کو ج میں بدل دیتے ہیں جیسے شطرنج میں ظاہر ہے پہلے یہ سنسکرت میں چترانگ تھا عین اسی طرح عربی میں حرف "چ" "ش" میں بدلا جاتا ہے۔

دقت نظر سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی زبان میں چونکہ حرف "پ" کے لیے لبوی ادائیگی موجود نہیں ہے، اسے اگرچہ آج کل حرف باء میں بھی بدلا جانے لگا ہے تاہم قدیم مسودوں

میں "پ" کو فاء سے ہی تبدیل کیا گیا ہے جیسے فارسی کا لفظ پہلوی عربی زبان میں "فہلوی" ہے، پیروز کو فیروز اور پنجاب کو فنجاب کہتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ سنسکرت کا لفظ پرکار COMPASS کے معنی میں جب عربی ادب میں آیا تو اس کی محرف شکل پرکار کے بجائے "زجاج" ہوگئی بالکل ایسے ہی جس طرح شہرۂ آفاق یونانی حکیم اور فلسفی جس کا نام PYTH AGORAS تھا عربی میں اس کی ہیئت مذکورہ بالا قاعدہ کی بنا پر "فیثاغورث" ہوگئی۔ یاد رہے کہ جو حرف تہجی "تھ" کی آواز پیدا کرتا ہے اسے عربی زبان میں یا تو تاء سے تبدیل کیا جاتا ہے یا پھر ثاء سے بدلا جاتا ہے۔ جب ہم علم اشتقاق کی ان اہم تبدیلیوں کو نگاہ میں رکھیں گے تو ہمیں تمام ایسے الفاظ جن کے مادے کا تعلق سنسکرت زبان سے ہے بخوبی سمجھ میں آجائے گا اور سنسکرت زبان کی مقبولیت اور تاثیر کے دائرے کی وسعت کا بھی اندازہ ہوجائے گا۔

فارسی زبان سنسکرت زبان سے ترکیبی اور تشکیلی ہیئتوں میں بہت متاثر ہے، اس کے اثرات فارسی ادب سے منتقل ہوکر عربی زبان میں بھی تدریجی مراحل طے کرکے پہونچے ہیں، سنسکرت کا حرف تہجی स جو حرف "سین" کی آواز پیدا کرتا ہے وہ فارسی زبان اور پھر ہندی اور اردو میں حرف "ھاء" سے تبدیل ہوگیا ہے، مثلاً لفظ "سندھ" سنسکرت سے عربی زبان میں فارسی زبان کے توسط و تاثر سے ہند ہوگیا ہے، جس طرح سنسکرت کا لفظ سپتاہ فارسی میں "ہفتہ" نیز سپت ہفت میں بدلا جاچکا ہے، فارسی زبان میں لفظ "ہندو" جو "سندھو" کی ہی محرف صورت ہے اور اس کے معنی سیاہ ہیں، پھر یہی لفظ عربی میں معنوی اثر قبول کرکے "حندس" میں ڈھلا جس کی جمع "حنادس" ہے اور اس نے اپنا ایک معنوی تشخص اختیار کیا جس کے معنی تاریک رات یا علم ہیئت میں اماوس کے معنی میں ہے۔ یہاں ضمناً

اس کا ذکر بھی غیر مناسب نہ ہوگا کہ سنسکرت لفظ "سندھ" جو فارسی زبان میں ہند ہوگیا ہے اور جس سے پھر ہندو بنا ہے جس سے ہر وہ شخص مراد ہے جس کی بلاد ہند میں رہائش ہو خواہ وہ کسی مذہب کو مانتا ہو لیکن بعد میں اسے ہندو مذہب سے جوڑ دیا گیا اور تقسیم ہند کے بعد ہندوستانی صحافت میں بڑی تیزی کے ساتھ "ہندوتو" "HINDUTAV" کی اصطلاح وضع کر لی گئی ہے جس کا اطلاق قدیم ہندوستانی مذہب کے طور پر کیا جا رہا ہے مجھ ہیچ مداں کے خیال میں سنسکرت زبان میں کہیں بھی بطور مذہب ہندو کا استعمال نہیں ملتا کیونکہ "ہندو" اور بعد کا "ہندوتو" سرے سے سنسکرت کے الفاظ ہی نہیں ہیں بلکہ یہ تو فارسی اور عربی زبان کے الفاظ ہیں جن کی معنویت و ماہیت کی وضاحت کی جاچکی ہے البتہ اگر اہلِ صحافت "ہندوتو" کے بجائے سناتن دھرم (قدیم ترین بھارتی دھرم) یا پھر ویدک دھرم کا نام دیتے تو یہ بات منطقی طور پر قرینِ قیاس اور قابلِ قبول ہو سکتی تھی۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ لفظ ہند "سندھ" کی تحریف ہے اور لفظ "ہندو" سے مراد بلا امتیازِ مذہب و ملت و اختلاف مشرب و عقیدہ ہر وہ شخص ہو سکتا ہے جو وادیِ سندھ یا بھارت میں پیدا ہوا ہو یا اس کی یہاں رہائش ہو، حیرت ہے کہ جس لفظ کا وجود ہی اصلاً سنسکرت زبان و ثقافت میں نہ ہو اسے کس طرح مذہبی رنگ میں رنگ دیا گیا اور اس سے منسلک کر دیا گیا ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اس ضمنی بحث سے قطعِ نظر ذیل میں کچھ ایسے فارسی الفاظ درج کیے جاتے ہیں جو سنسکرت زبان سے ماخوذ ہیں۔

دشمن (مرکب اضافی ہے ان دو ارکان کا: دش + من) دشنام۔ برشگال (مرکب ہے ورشا + کال سے ورشا کے معنی بارش اور کال کے معنی وقت یا موسم) ہفتہ۔ دور۔

دندان۔ استخوان (ایک ایسے لفظ سے ماخوذ ہے جس کے معنی سنسکرت زبان میں ہڈی ہی کے ہیں) پرور دن (پروردھن کی تحریف ہے) بُوم (اس کی اصل ہیئت "بھومی" ہے جس سے مراد زمین ہے) ہستی۔ ستایش (متقابل لفظ ملاحظہ ہو स्तवन)۔ بلوچ (مرکب ہے بل بمعنی قوت + اُچ بہ معنی اعلیٰ یا بلند) ہشت۔ یک۔ دو۔ نو۔ پنج (تحریف ہے पंच کی) بہرام (مرکب ہے دو ارکان کا: بہ + رام) یوغ جو فارسی زبان میں انگریزی لفظ YOKE کا مترادف اور سنسکرت لفظ یوگ سے مشتق ہے جس کے معنی جوڑنا ہے۔

اسی طرح فارسی لفظ "کاذ" ہے۔ اور "کونہ" کو بھی لیجئے نیز وہ تمام الفاظ جو فارسی زبان میں لاحقہ "ستان" کے ساتھ آتے ہیں جیسے: کوہستان۔ گلستان۔ بوستان۔ ہندوستان نخلستان۔ ازبکستان۔ پاکستان وغیرہ ان سب کی ترکیبی ہیئت کا مرجع دراصل سنسکرت زبان ہی ہے کیونکہ لاحقہ "ستان" سنسکرت لفظ स्थान "ستھان" کی ہی محرف صورت ہے۔

اگر مزید تحقیق و جستجو سے کام لیا جائے تو اس کی بہ کثرت مثالیں ملیں گی۔ خود انگریزی کا لفظ WHEEL جس کے معنی پہیہ کے ہیں، اگر ذہن پر زور دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا ماخذ و مشتق بھی سنسکرت کلمہ: वाहन ہے جس کے معنی ڈھکیلنے کے ہیں، اسی لیے ڈرائیور کو بھی واہک کہا جاتا ہے کیونکہ کسی گاڑی یا مشین کا جو حصہ ڈھکیلنے یا حرکت دینے میں معاونت کرتا ہو، اسے انگریزی زبان میں "WHEEL" کہتے ہیں اس کے لیے اس زبان کو اس سے بہتر کوئی دوسرا لفظ نہیں مل سکا۔ اس سے بڑھ کر ہمارے مدعا کی اور کیا دلیل ہوگی۔ سنسکرت زبان کا یہ بڑا امتیاز اور نمایاں خصوصیت ہے کہ دوسری زبانوں پر تو اس کے کلی یا جزوی گوناگوں اثرات پڑے، مگر خود سنسکرت زبان دوسری زبانوں سے متاثر نہیں ہوئی، یہ الگ بات ہے کہ اب بیسویں صدی میں

سائنس وٹکنالوجی کی غیر معمولی ترقی کی وجہ سے اب اس میں بھی بعض انگریزی مصطلحات رواج پارہی ہیں، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ان کے لیے متبادل الفاظ واصطلاحات دوسری زبانوں میں نہیں ہیں، اگر کچھ اصطلاحات وضع بھی کی جائیں تو ان کو رواج پانا اور قبول عام حاصل کرنا مشکل ہے، جیسے ریڈیو، فوٹو، ریل اور ٹرانسسٹر یا مقیاسی وحدات ہیں: کلوگرام، میٹر، کمپیوٹر، انچ، فٹ۔ ٹن وغیرہ کہ اگر ان کے مترادف الفاظ وضع بھی کر لیے جائیں تو ان کو قبولیت نہیں مل سکتی۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ سنسکرت زبان کا افادی پہلو تو عام ہے مگر استفادہ سے یہ زبان مستغنی اور بے نیاز رہی ہے، راقم کے خیال میں اس کے اس وصف میں کوئی اور زبان اس کی شریک وسہیم نہیں ہے۔

اہل اسلام کے ارکان خمسہ میں ایک رکن صلوٰۃ SALAH بھی ہے جس کا مترادف لفظ فارسی زبان میں "نماز" ہے اور یہی دخیل لفظ ہندوستان اور پاکستان میں اس طرح چل گیا ہے کہ آج تک اس کا کوئی متبادل لفظ تلاش نہیں کیا جا سکا۔ تقابلی موازنہ ہم کو اس نتیجے پر پہونچاتا ہے کہ اس کا مخرج بھی سنسکرت زبان کے یہ الفاظ नमस्ते یا नमस्कार ہیں، جس کے معنی جھکنا ہے اور جس کے مقابلے میں لفظ "رکوع" آتا ہے، ہمارے خیال میں لفظ نماز نمستے ہی کی محرف ہیئت ہے، لفظ "نمو" فعل امر کا صیغہ ہے جس کے معنی "جھکو" ہے صوبہ آسام میں جب کبھی کنڈکٹر کو بس میں سوار کسی شخص سے نیچے اترنے کے لیے کہنا ہوتا ہے تو وہ "نمونمو" کہا کرتا ہے۔

خدا بخش لائبریری کا ایک مخطوطہ

خلاصۂ انیس الطالبین

از

جناب محمد ذاکر حسین ندوی

خدا بخش لائبریری پٹنہ میں تصوف پر مخطوطات کا اچھا ذخیرہ موجود ہے، ان میں چند نادر اور قدیم بھی ہیں اور بعض غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ وہ مصنف کے خود نوشت ہیں اور ان کی واحد کاپی صرف اسی لائبریری میں ہے اور ابھی تک کسی دوسری لائبریری میں اس کی نشاندہی نہیں ہوتی ہے۔ انہیں میں "انیس الطالبین وعدۃ السالکین" کا ایک ملخص نسخہ بھی ہے۔

"انیس الطالبین وعدۃ السالکین" خواجہ بہاء الدین محمد نقشبند کے احوال، مقامات، ملفوظات، کرامات اور خوارق عادات پر مشتمل فارسی کی پہلی کتاب ہے جب خواجہ کے مریدوں نے اسے مرتب کرنے کی اجازت مانگی تو فرمایا! ابھی اجازت نہیں ہے، اسکے بعد تمہارا اختیار ہے (خواجہ فرمود! ازین زمان اجازت نیست بعد ازین اختیار شماست") [1]

چنانچہ ۷۹۱ھ میں جب خواجہ نقشبند کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تو

---

[1] انیس الطالبین ص ۹۔

ان کے مشہور خلیفہ خواجہ علاء الدین عطار نے اس بارے میں استخارہ کرکے صلاح بن مبارک البخاری (م قرن نہم) کو خواجہ کے احوال، مناقب، مقامات اور ملفوظات کو جمع کرنے کی اجازت دی اور یہ کام ۷۸۱ھ میں ہی انجام پاگیا۔[1]

اس کے نسخے نئی دہلی اور برطانیہ[2] کے علاوہ مرکزی دانش گاہ تہران،[3] کتابخانہ گنج بخش[4] اور پنجاب یونیورسٹی لاہور میں دو نسخے موجود ہیں، جس میں کا ایک ۷۸۱ھ اور دوسرا ۷۸۹ھ کا مکتوبہ ہے۔[5] یہ تمام نسخے خواجہ محمد پارسا (م ۸۲۲ھ) سے منسوب ہیں۔[6] علاوہ ازیں اسی نام سے اس کی دوسری کاپیاں خدا بخش لائبریری پٹنہ (مکتوبہ ۹۹۴ھ)،[7] کتابخانہ درگاہ شاہ ابوالخیر (مکتوبہ ۱۲۴۳ھ)،[8] کتابخانہ ٹونک راجستھان،[9] رضا لائبریری، رامپور،[10] آصفیہ لائبریری، حیدرآباد،[11] انڈیا آفس،[12] برلن،[13] ریو،[14] بوھار کلکتہ[15] میں ہیں، جو صلاح بن مبارک البخاری سے منسوب ہیں۔ خدا بخش لائبریری کے کیٹلاگر خان بہادر مولوی عبدالمقتدر اس نسخہ کی معلومات فراہم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The discourses, spiritual and miraculous deeds of

---

[1] انیس الطالبین ص ۹ [2] فہرست منزوی ص ۱۰۵۵ [3] مجلہ دانش کدہ ادبیات و علوم انسانی دانش گاہ فردوسی، شمارہ سوم، سال دہم ص ۴۸۳ [4] فہرست نسخہ ہای خطی از آقای محمد حسین تسبیحی ۴۵۹/۲ [5] فہرست مخطوطات شیرانی از دکتر محمد بشیر حسین ۲۰۳/۲ [6] رسالہ قدسیہ (پیش گفتار) ص ۲۹-۳۰ [7] خدا بخش لائبریری کیٹلاگ ۴۴/۱۶ [8] خدا بخش جرنل شمارہ ۱۰۲ ص ۳۱۲ [9] تصوف برصغیر میں (فہرست) ص ۱۲ [10] فہرست مخطوطات فارسی رامپور رضا لائبریری ص ۳۱۴ [11] آصفیہ لائبریری، کیٹلاگ نمبر ۲۲۴ [12] انڈیا آفس لائبریری کیٹلاگ نمبر ۱۸۵۱ [13] برلن کیٹلاگ ص ۱۰ [14] ریو ۸۶۲/۲ [15] بوھار لائبریری کیٹلاگ ۱۴۳/۱۔

Mohammad bin Mohammad - Al- Bukhari, better known as Khwajah Baha-ud-din Naqshbandi, the founder of the Naqshbandi order, collected by his disciple Salah bin Mubarak-Al-Bukhari ... The discourses of this grate Shaykh are highly esteemed up to the present age by sufie, particularly those of the Naqshbandi order. They have been collected by his disciples and followers [16]

یہ نسخہ ۲۱۹ اوراق پر مشتمل ہے، ہر ورق کی سطریں ۱۳ ہیں۔ خط خوبصورت اور نستعلیق ہے۔ میر حسین ابن خواجہ میر البخاری نے ۹۹۴ھ میں اس کی کتابت کی ہے، یہ کتاب چار ابواب پر منقسم ہے۔

قسم اول در ولایت و ولی۔

قسم دوم در شرح ابتدا و خواجہ قدس اللہ روحہ و ذکر سلسلۂ خواجگان ما روح اللہ ارواحہم۔

قسم سیم در بیان صفت احوال و روش اخلاق و احوال و اقوال حضرت خواجۂ ما قدس اللہ روحہ و شرح طریقہ نسبت و نتائج صحبت و کیفیت معاملۂ ایشان با طالبان و ذکر حقائقی و دقائقی کہ در ہر محلی بر لفظ مبارک ایشان می گذشتہ است۔

قسم چہارم در ذکر کرامات و ظہورات و احوال و آثار کہ از حضرت خواجۂ ما در محال تلاطم امواج بحار ولایت بظہور آمدہ است۔[17]

خواجہ بہاء الدین نقشبند کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے معروف و مشہور صوفیہ میں

---

[16] خدا بخش لائبریری کیٹلاگ ۴۴/۱۶ [17] انیس الطالبین۔

ہوتا ہے، وہ بخارا کے قصر عارفان نامی گاؤں میں ۷۱۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، جن میں مشہور ترین خواجہ علاء الدین عطار اور خواجہ محمد پارسا تھے۔ وہ سلسلۂ نقشبندیہ کے بانی ہیں، جن کا سلسلۂ تصوف سلطان العارفین بایزید بسطامیؒ سے ملتا ہے۔ تصوف میں "حیات نامہ" اور پند و نصائح میں "حیات نامہ" ان کی یادگار ہیں۔[1]

انیس الطالبین و عدۃ السالکین ایک ضخیم کتاب ہے جو ۲۱۹ اوراق پر محتوی ہے۔ اس کے پیش نظر مولانا عبدالرحمن جامی (م ۸۹۸ھ) نے ۸۵۶ھ میں اس کی تلخیص کی۔ جامی فارسی زبان و ادب کے مشہور شاعر اور نثر نویس ہیں۔ دینی علوم تصوف اور تاریخ میں کمال حاصل تھا۔ سعد الدین کاشغری، خواجہ علی سمرقندی اور قاضی زادہ رومی کے مریدوں اور خلفاء میں تھے۔[2]

یہ نسخہ خود جامی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، جس پر ۸۵۶ھ سال کتابت مندرج ہے۔ اس لحاظ سے اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ کسی تذکرہ یا کسی فہرست مخطوطات و مطبوعات جن میں جامی کا تذکرہ ہے یہ کتاب ان کی تصانیف کی فہرست میں شامل نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ خدا بخش لائبریری کا واحد مخطوطہ ہے۔ خان بہادر مولوی مقتدر اس نسخہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

" An exceedingly valuable copy of an abridgement of the انیس الطالبین (see No. 1376), due

---

[1] رشحات ۱/۹۵، خزینۃ الاصفیاء ۲، سفینۃ الاولیاء ۸۰، فرہنگ معین ۶/۱۲۶۰۔ [2] رشحات ج ۱، تذکرہ دولت شاہ ۳۸۳، مرآۃ الخیال ص ۱۰۲، آتش کدہ ص ۱۰۳۔

to the permanship of the celebrated Jami. The present abridgement was most probably made the learned scribe himself. The arrangement of divisions is the same as in the original. The name of the scribe runs thus at the end of the copy علیٰ ید العبد الفقیر عبدالرحمن الجامی تاب اللہ علیہ

It is to be noticed that the hand writing in this copy exactly agrees with that of Jami's autograph copy of his silsilat-ud-Dahab and his diwan, noticed under No. 185"[1]

۵۵ اوراق کے اس نسخہ کے ہر ورق میں ۱۸ سطریں ہیں۔ یہ قدرے ناصاف ہے۔ بعض جگہ بعض الفاظ محو ہو گئے ہیں اور پڑھے نہیں جا سکتے۔ نسخۂ اصلی کی مانند یہ بھی چار ابواب پر منقسم ہے۔ لیکن جا بجا ترمیم و تنسیخ اور حک و اضافہ کیا گیا ہے اور نسخہ اصلی کی ترتیب کا کوئی خاص اہتمام اس میں نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ قسم اول میں مذکور مقامات، ملفوظات اور احوال کو قسم چہارم میں، قسم دوم کو قسم اول، قسم سیم کو قسم دوم میں، اسی طرح آگے بھی ہے۔

تصوف کے موضوع پر ہونے کی وجہ سے اس نسخہ کی اہمیت ہے، اس میں خوارق و کرامات کے بیان میں طول سے کام نہیں لیا گیا ہے اس لیے اس کا مطالعہ تصوف کے سچے طالب کے لیے فائدہ مند ہوگا۔

---

[1] خدا بخش لائبریری کیٹلاگ ۱۶/۴۶۔

باب التقریظ والانتقاد

رسالوں کے خاص نمبر

فکر و نظر مخطوطات نمبر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمن، بہترین کاغذ اور طباعت، صفحات ۴۲۲، قیمت فی شمارہ ۴۰ روپے، سالانہ ۱۵۰ روپے، پتہ: شعبۂ مطبوعات، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان۔

پاکستان کے ادارۂ تحقیقات اسلامی کے شعبۂ تحقیق التراث کے زیر اہتمام دو سال قبل مخطوطات کے حصول، ان کے تحفظ اور تحقیق و تدوین کے متعلق ایک عمدہ مجلس مباحثہ منعقد ہوئی تھی جس میں علماء، اساتذہ اور ماہرین فن نے اپنے مقالات و مضامین کے ذریعہ مخطوطات کے جمع و تحفظ پر کارآمد مشورے دیے تھے، زیر نظر خاص شمارہ میں اب افادۂ عام کی غرض سے ان تحریروں کو جمع کرکے ایک بڑی اہم اور مفید علمی خدمت انجام دی گئی ہے، ادارہ کے امین عام ڈاکٹر ظفر اسحق انصاری کے پُرمغز و فکر انگیز افتتاحیہ سے معلوم ہوا کہ دنیا میں گزشتہ ڈیڑھ سو سال میں دو لاکھ مخطوطات طبع ہوچکے ہیں، لیکن قریب پچاس لاکھ مخطوطات اب بھی منتظر طباعت ہیں، علم و حکمت کے اس خزینہ میں غالب حصہ علوم اسلامی ہی کا ہے، صرف پاکستان میں ڈیڑھ لاکھ مخطوطات موجود ہیں جن کے متعلق افسوس کے ساتھ کہا گیا کہ اور ملکوں کے مقابلہ میں ان سے غفلت و تساہل زیادہ ہے، زیر نظر شمارہ سے اس نہایت اہم علمی مسئلہ کا مطالعہ و

تجزیہ بسط و تفصیل سے کیا جا سکتا ہے، کل اٹھارہ مقالات کو چار ابواب یعنی مخطوطات: اہمیت، مخطوطات: منہج تحقیق، پاکستان میں مخطوطات کے ذخائر اور فہارس مخطوطات میں تقسیم کیا گیا ہے، ان میں دوسرا باب مخطوطات شناسی خاص طور سے بہت اہم اور مفید مضامین پر مشتمل ہے، توقع ہے کہ اس خاص شمارہ سے کماحقہ استفادہ کیا جائے گا۔ جو اہل علم و تحقیق کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔

تہذیب الاخلاق، سرسید اور دانش گاہ علی گڑھ، مدیر پروفیسر ابو الکلام قاسمی، بہترین کاغذ اور عمدہ کتابت و طباعت، صفحات ۳۰۴، قیمت ۳۰ روپے سالانہ ۶۵ روپے، پتہ: ایڈیٹر تہذیب الاخلاق اینڈ نشانت، ا۔شبلی روڈ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

اس سال سرسید احمد خاں کو وفات پائے ہوئے سو برس ہو گئے، اس موقع کو مسلم یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد نے سرسید اور علی گڑھ تحریک کے پیام و مقصد کے جائزے اور تجزیے کے لیے خاص کیا ہے تاکہ اس کی افادیت و اہمیت کو اور واضح کیا جا سکے، اس صد سالہ برسی کے منصوبوں کے سلسلہ کی ایک کڑی یہ خاص نمبر بھی ہے جس میں سرسید اور یونیورسٹی دونوں کے تعلق سے عمدہ مقالات و مضامین شامل ہیں جن میں مختلف ابواب کے تحت سرسید کے افکار و خیالات اور یونیورسٹی کے ماضی و حال کا جائزہ لیا گیا ہے، ایک باب میں ان شخصیات پر مضامین ہیں جن کے نام سے یونیورسٹی کی اقامتی عمارتیں منسوب ہیں، سرسید کے تصور تہذیب کے متعلق فاضل مدیر کا مضمون خاص طور پر لائق ذکر ہے، جس میں اس کے سطحی ہونے کی تردید کرکے یہ دکھایا گیا ہے کہ سرسید شاہ ولی اللہ کی روایت پر عمل پیرا رہے، ان کا عقیدہ تھا کہ

دنیوی فلاح کے کسی بھی تصور کے نام پر عقیدہ و ایمان کے ساتھ مفاہمت نہیں کی جا سکتی، ان خیالات کی صدائے بازگشت ایک اور باب میں سُنائی دیتی ہے، یہ دراصل سرسید کے افکار و اعمال کی معنویت پر عمدہ تحریری مباحثہ ہے، اس میں پروفیسر آل احمد سرور سے اشفاق احمد عارفی تک متعدد وابستگانِ علی گڑھ نے حصہ لیا ہے، اس ضمن میں سرور صاحب کے بعض مشورے قابلِ غور ہیں جس میں یہ بھی ہے کہ سرسید کی تفسیر کو نقطۂ آغاز مان کر اور مولانا ابوالکلام آزاد کی ترجمان القرآن کو ملحوظ رکھ کر ایک نئی تفسیر کا کام یونیورسٹی کے ذریعہ ہو اور ہر شہر میں قرآن مجید اور اردو کی تعلیم کا انتظام بھی یونیورسٹی کی سرپرستی میں ہو، ایک اور لایق مطالعہ مضمون ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی کا ہے جنھوں نے ایم اے او کالج اور معاصر دینی مدارس کے باہمی ربط و تعاون کا مفصل دستاویزی جائزہ پیش کیا ہے، اس سے دارالعلوم دیوبند اور تحریکِ ندوۃ العلماء سے سرسید کی ہمدردی اور ربط و تعاون کا اندازہ ہوتا ہے لیکن سب سے دلکش حصہ آئینۂ ایام کا ہے، جس میں آل احمد سرور، سید حامد اور نبی بخش بلوچ وغیرہ نے دورِ ماضی کے ایسے حسین عکس پیش کیے ہیں جن سے کبھی نگار خانہ علی گڑھ کے در و بام روشن تھے۔

ماہنامہ شمس الاسلام، مولانا امین احسن اصلاحی نمبر، مدیر جناب صاحبزادہ ابرار احمد بگوی، عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات ۸۰، قیمت ۴۰ روپے سالانہ ۵۴ روپے، پتہ: مرکزیہ حزب الانصار، شارع جامع مسجد بگویہ، بھیرہ، ضلع سرگودھا، پاکستان۔

اس رسالہ کے فاضل مدیر کو مولانا اصلاحی مرحوم سے شرف تلمذ حاصل ہے، رسالہ کی یہ خاص اشاعت اپنے استاذ مرحوم سے مرتب کی عقیدت و ارادت کا

منظر ہے۔ ان کی تحریر کی سطر سطر سے ان کے والہانہ تعلق کا پتہ چلتا ہے رسالہ اشراق کے خاص نمبر کے مقابلہ میں اس میں مضامین کم ہیں، دو مضامین ایسے ہیں جو اشراق میں بھی شامل ہیں، تاہم جناب خالد مسعود کے مفصل مضمون اور دوسرے مختصر لیکن جامع مضامین کی وجہ سے یہ رسالہ بھی علوم و اسرار فراہی کے شارح و امین کے فضل و کمال کی مرقع آرائی میں کامیاب ہے، پاکستانی اخبارات و جرائد کی منتخب تعزیتی تحریریں بھی اس میں شامل کر دی گئی ہیں۔

ماہنامہ ریاض الجنۃ، صدیق نمبر، مدیر جناب مولوی عبد العظیم ندوی، عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، صفحات ۱۳۶، قیمت ۶ روپے، سالانہ ۷۰ روپے۔
پتہ: ماہنامہ ریاض الجنۃ، مدرسہ ریاض العلوم چوکیہ گورینی، ضلع جونپور۔ یوپی۔

مولانا قاری صدیق احمد باندوی کے مقام و مرتبہ کا اعتراف عام طور سے عارف باللہ، مقبولِ انام اور مرجعِ خلائق بزرگ کی حیثیت سے کیا جاتا ہے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں ان کے جیسے مخلص فکرمند اور سرفروش کم دیکھے گئے، قاری صاحب کو دینی مدارس سے خاص تعلق تھا، گورینی کا مدرسہ ریاض العلوم ان کی توجہ و عنایت سے محروم نہ تھا، اس لیے مدرسہ کے ترجمان نے اس خاص نمبر کے ذریعہ قاری صاحب کے سوانح اور ان کی اصلاحی و تبلیغی مساعی پر مشتمل مضامین کا عمدہ مجموعہ شایع کر دیا۔

دعوت، تعلیم اور مسلمان آزادی کے بعد، مدیر جناب پرواز رحمانی، کاغذ و طباعت مناسب، صفحات ۱۴۶، قیمت ۱۲۰ روپے، پتہ: سہ روزہ دعوت ڈی-۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵..۱۱۔

سہ روزہ اخبار دعوت کا ہر شمارہ با مقصد اور اصلاحی و تعمیری تحریروں سے پُر رہتا ہے،

وقتاً فوقتاً ملی و مذہبی مسائل کے متعلق خصوصی شمارے بھی شایع کیے جاتے ہیں، ہندوستانی مسلمانوں کا ایک بڑا اہم مسئلہ تعلیم کا ہے، گو آزادی کے معاً بعد کے مایوس کن حالات بدلے ہیں تاہم یہ اطمینان بخش نہیں، آزادی کے بعد کے اس تعلیمی دور کے تجربوں اور امکانات کا جائزہ اس شمارہ کا موضوع ہے، تعلیم و تعلم سے وابستہ نمایاں حضرات کے تقریب بیس مضامین کا یہ مجموعہ مسلمانوں کی تعلیم کے ذمہ داروں اور ماہرین کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراتا ہے کہ وہ مستقبل میں تعلیم کا ایک جامع منصوبہ بنائیں جو ملت کے لیے کارآمد و سود مند ہو۔

ماہنامہ صنعت و تجارت، کامیاب کاروباری نمبر، مدیر جناب محمد حنیف، کاغذ معمولی اور کتابت و طباعت مناسب، صفحات ۹۶، قیمت ۲۰ روپے، سالانہ ۲۰۰ روپے، پتہ: ۲۴۴، سی، برائٹ اسٹریٹ، کلکتہ ۷۰۰۰۱۷۔

یہ غالباً ہندوستان میں اردو کا واحد رسالہ ہے جس کا مقصد مسلمانوں میں صنعت و تجارت کا ذوق و فروغ پیدا کرنا، ہنر اور کاروبار کے گر سکھانا اور بازار کے نئے تقاضوں سے روشناس کرانا ہے، ۱۹۸۱ء میں جب اس کا پہلا شمارہ شایع ہوا تھا تو توقع نہیں تھی کہ اردو کے بازارِ صحافت میں یہ زیادہ دنوں تک قائم رہ سکے گا، لیکن خوشی ہے کہ یہ برقرار ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی مقبولیت میں اضافہ بھی ہوا ہے، زیر نظر شمارہ اس کی خصوصی اشاعت ہے جس میں ایسے صاحبانِ صنعت و تجارت کے حالات درج ہیں جنھوں نے معمولی سرمایہ اور نامساعد احوال کے باوجود سخت جد و جہد، ایمانداری و مستقل مزاجی کی بدولت کامیابی کی بلندیوں تک رسائی حاصل کی، رسالہ کے لائق مدیر بھی ان میں شامل ہیں جو آج بید کے بڑے تاجر کی حیثیت سے معروف ہیں، انکا یہ کہنا درست ہے کہ یہ آپ بیتیاں خاندان اور ملت کی معاشی ترقی و خوشحالی کے لیے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں، اس رسالہ خصوصاً اس خاص شمارہ کا مطالعہ مسلم نوجوانوں کے لیے بڑا فائدہ مند ہے، قومی و ملی تنظیموں کو بھی ایسے رسائل کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ "ع۔ص"

مطبوعات جدیدہ

متاع فکر و نظر (علی جواد زیدی کے مضامین) مرتبہ جناب سبط محمد نقوی، متوسط تقطیع، کاغذ و طباعت بہتر، کتابت کمپیوٹر، صفحات ۲۰۰، مجلد مع گرد پوش، قیمت ۱۲۵ روپے، پتے (۱) مکتبۂ اہل بیت امام باڑہ غفران مآب، لکھنؤ ۳ (۲) دانش محل امین الدولہ پارک، لکھنؤ وغیرہ

یہ اردو کے بزرگ مصنف اور مشہور صاحب علم و قلم جناب علی جواد زیدی کے سترہ ادبی، تنقیدی، تحقیقی اور دوسرے موضوعات سے متعلق مضامین کا مجموعہ ہے، جس کو ایک دوسرے عالم و فاضل جناب سبط محمد نقوی نے مرتب کر کے اپنی خوش مذاقی اور علم دوستی کا ثبوت دیا ہے، صاحب مضامین ایک ممتاز علمی گھرانے کے فرد ہیں، بچپن ہی سے ان کو علم و فن اور شعر و ادب کا چسکا لگا ہوا ہے، اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہنے کے باوجود علم و فن سے ان کے اشتغال میں کمی نہیں آئی، طویل عرصہ کی ریاضت و محنت نے ان میں پختگی، وسعت و دقت نظر اور گہرائی و گیرائی پیدا کر دی ہے، اردو، فارسی کے علاوہ انگریزی، ہندی اور عربی سے واقفیت ان کا طرۂ امتیاز ہے، زیدی صاحب کی دلچسپی کسی ایک فن ہی تک محدود نہیں بلکہ ان کی جہانگیری میں شعر و ادب، تاریخ، تنقید و تحقیق، صحافت، سیاست، مذہبیات، قومیات اور سماجیات سب ہی داخل ہیں، اس وسعت و جامعیت اور تنوع کا ثبوت ان کی درجنوں تصنیفات کے علاوہ یہ مجموعہ بھی ہے، جس کے تین مضامین خصوصیت سے اہم اور قابلِ ذکر ہیں، حالی کے شعری نظریات۔

دور[2] دورۂ ایہام گویاں۔ سبک[3] ہندی اور صائب۔ ان میں بعض مفروضات و مزعومات کی جنھوں نے مسلمات و حقایق کا درجہ حاصل کر لیا ہے تردید کی گئی ہے اور ان کا صحیح محل متعین کیا گیا ہے، مولانا حالی کا مقدمہ بڑا معرکۃ الآرا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ اردو شاعری بہت کچھ محتاجِ اصلاح تھی، مگر اس ضمن میں اس کے مضحک پہلوؤں کے ذکر میں جو مبالغہ ہے، اس کے خلاف شدید ردعمل ہوا، پہلے پروفیسر مسعود حسین رضوی ادیب کی کتاب "ہماری شاعری" شایع ہوئی اور حال میں مشہور ترقی پسند پاکستانی نقاد ممتاز حسین نے مقدمہ کی تحقیقی و استنادی حیثیت کو موضوع بنایا ہے، ہندوستان میں یہ کتاب دستیاب نہیں تھی، زیدی صاحب نے اس میں درج حقایق کے علاوہ بعض اور حوالوں سے مزید مطالب کا اضافہ بھی کیا ہے، دور دورۂ ایہام گویاں میں عہد محمد شاہی کے شعرا حاتم وغیرہ کے کلام سے مثالیں پیش کر کے بتایا ہے کہ اس میں صرف ایہام ہی نہیں ہے بلکہ وہ رنگا رنگی کا منظر بھی پیش کرتا ہے، تیسرے مضمون میں ایرانی ناقدین کے ہندوستانی فارسی گویوں خصوصاً صائب پر سبک ہندی کا لیبل چسپاں کرنے کی مدلل تردید کر کے دکھایا ہے کہ یہ طرز ایران و افغانستان میں بھی جاری و ساری ہے۔ "ہندوستانی قومیت کے اجزائے ترکیبی" میں اس کے تصور کے بارے میں افراط و تفریط سے بچ کر جو معتدل نظریہ پیش کیا گیا ہے اس پر ماضی میں جس طرح عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے ناقابلِ تلافی خسارہ ہوا اسی طرح آیندہ بھی اگر عمل نہ کیا گیا تو شدید خسارہ ہوگا، گلشن بہار مرتبہ اسلم فرخی پر عالمانہ تبصرہ بھی اہل نظر کی داد کا مستحق ہے۔ "ظفر اور سنگلاخ زمینیں"، "تخلیق کار اور ناقد"، "یونیورسٹیوں میں اردو تحقیق"، "اردو تحقیق کے سنگ میل و ستون"، "میگھ دوت کے مترجم۔ قمر جلالی آبادی"

بھی دلچسپ اور پڑھنے کے لائق مضامین ہیں، اس کتاب کی اشاعت ایک مفید علمی و ادبی خدمت ہے جس کے لیے فاضل مرتب مبارکباد کے مستحق ہیں، ان کے معروضہ اور توقیت زیدی سے کتاب کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہے، معروضہ ان کی صاف گوئی اور طبعی شدت پسندی کا مظہر ہے۔

گجرال کمیٹی اور اس سے متعلق دیگر کمیٹیوں کا جائزہ : مرتبہ ڈاکٹر خلیق انجم

متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۳۰۴، مجلد مع گرد پوش، قیمت ۱۷۵ روپے، پتے (۱) انجمن ترقی اردو (ہند) راؤز ایونیو، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲۔ (۲) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶ - وغیرہ

وزیر اعظم اندرا گاندھی کے ایما سے ۱۹۷۲ء میں اس وقت کے مرکزی وزیر تعلیم پروفیسر نور الحسن نے پارلیمنٹ کی منظوری سے اردو کے عاشق و شیدائی آئی۔ کے۔ گجرال کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل کی تھی تاکہ یہ کمیٹی اردو کے فروغ و ترقی کے لیے سفارشات پیش کرے۔ کمیٹی نے مختلف مسائل کے مطالعے و جائزے کے لیے متعدد ذیلی کمیٹیاں بھی بنائیں جس کے ۱۲ ارکان نے ملک کی اکثر ریاستوں کے مرکزی شہروں کا دورہ کیا اور متعلقہ محکموں، دفاتر، سرکردہ اشخاص اور اردو کے مسائل سے واقفیت اور دلچسپی رکھنے والے حضرات سے تبادلۂ خیال کر کے اردو کی موجودہ صورت حال اور اس کی ترقی کے موانع وغیرہ کا پتہ لگایا، تین سال کی مسلسل محنت و جانفشانی کے بعد اس نے اپنی رپورٹ ۱۹۷۵ء میں حکومت کو پیش کی جو ۲۶۹ صفحات اور ۱۸۷ سفارشات پر مشتمل ہے، اس میں بڑی تفصیل و جامعیت سے مرکزی و ریاستی حکومتوں اور مختلف اداروں کے لیے مفید اور اہم سفارشات پیش کی گئی ہیں مگر سیاسی مصلحتوں کی وجہ

سے یہ کار آمد رپورٹ نقش و نگار طاقِ نسیاں ہوگئی، حالانکہ ان کو روبہ عمل لانے کے لیے اردو والوں کی طرف سے مبہم مطالبے بھی ہوتے رہے اور خود مرکزی حکومت نے بھی گجرال کمیٹی کی سفارشات پر عمل آوری کا جائزہ لینے کے لیے چار اور کمیٹیاں تشکیل دیں۔ اکثر اردو خواں حضرات کو گجرال کمیٹی کی سفارشات جاننے کی شدید خواہش تھی، اس لیے انجمن ترقی اردو (ہند) کے فعال جنرل سکریٹری اور اردو تحریک کے قائد ڈاکٹر خلیق انجم نے اس کتاب میں گجرال کمیٹی اور اس کے بعد بننے والی کمیٹیوں کا جائزہ لیا ہے، ابتدائیہ میں ہندوستان میں اردو کی موجودہ صورت حال، گجرال کمیٹی کی سفارشات پر عمل آوری کا جائزہ، اس کے اثرات اور اس سلسلے کی دوسری بہت سی مفید اور ضروری باتوں کا ذکر بھی آیا ہے اور کمیٹی کی تشکیل سے متعلق ریزولیشن، گجرال کمیٹی کے افتتاحی اجلاس میں پروفیسر نور الحسن کی افتتاحی اور گجرال صاحب کی صدارتی تقریریں بھی درج ہیں۔ اس اعتبار سے یہ بڑی تاریخی و دستاویزی کتاب ہے، اس وقت ڈاکٹر خلیق انجم سے زیادہ اردو کے مسائل سے اور کوئی شخص باخبر نہیں ہے، پھر وہ ایک کے علاوہ سب ہی کمیٹیوں کے بڑے سرگرم رکن رہے ہیں، اس لیے اس موضوع پر لکھنے کا حق انہی پر عائد ہوتا تھا، جس کو انھوں نے بہ خوبی ادا کیا ہے، وہ اردو والوں کے شکریے کے مستحق ہیں۔ گجرال کے علاوہ ان کمیٹیوں کا ذکر ہے۔ سرور کمیٹی، سردار جعفری کمیٹی، حامد کمیٹی اور عزیز قریشی کمیٹی۔

فخر نامہ: مرتبین جناب عبد القوی دسنوی و محمد نعمان صاحبان، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۳۰۰، قیمت درج نہیں۔ سیفیہ کالج بھوپال۔

یہ سیفیہ کالج بھوپال کے معمار ملا فخر الدین صاحب سے متعلق منظوم و منثور مضامین و تاثرات کے علاوہ بھوپال کے بارے میں بھی مفید معلومات پر مشتمل ہے جس کو بڑی خوش مذاقی سے مرتب کیا گیا ہے۔ "ض"